عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ
ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۲۸ | ۱۸ تا ۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ جنوری ۲۰۰۹ء | شمارہ: ۳

عورتوں کے حقوق کا علمبردار اسلام یا مغرب؟

انسدادِ جرائم میں قصاص کی اہمیت

دنیا کا عظیم جرنیل

بے حیائی کا وبال

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

مولانا سعید احمد جلال پوری

اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام

ایس ایم حسن، کراچی

س:......بعض موذن اذان سے پہلے لمبے لمبے درود وسلام وغیرہ پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ یہ طریقہ کار تو مجھے کسی بھی نماز کی کتاب اور تعلیم الاسلام میں نظر نہیں آتا، براہ کرم وضاحت فرمادیں کہ آیا یہ عمل شریعت میں اضافہ کے زمرے میں نہیں آتا ہے؟

ج:......اذان سے پہلے اور بعد پڑھا جانے والا مروجہ صلوٰۃ وسلام بدعت ہے۔ اس کا قرآن و سنت اور دین وشریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

س:......اہل تشیع کا جو درود ہے، کیا حنفی مسلک کے لوگ اسے پڑھ سکتے ہیں؟ کیا کسی شیعہ امام کی اقتدا میں شیعہ دوست کی نماز جنازہ پڑھنے سے تجدید ایمان ضروری ہوجاتا ہے؟

ج:......اکابر علمائے امت اور خود شیعہ عقائد کی روشنی میں، اہل تشیع کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کی ہر چیز جدا ہے، لہٰذا ان کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز نہیں ہوگی۔ ان کا درود اگر کفریہ یا شرکیہ اجزا پر مشتمل نہیں تو پڑھ سکتے ہیں، مگر ان کا درود، درودی کیوں کہلائے گا جس میں اہل سنت اور امت مسلمہ کی مخالفت نہ ہو۔

س:......بلوغت کے بعد سے جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں، انہیں کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے؟

ج:......اندازہ کرلیا جائے کہ اتنی عمر کا بالغ ہوا تھا اور اتنے سال نماز نہیں پڑھی تو اتنے سال کی نمازیں مجھ پر واجب الادا ہیں، روزانہ ہر نماز کے ساتھ ایک نماز قضا کرلی جائے اور جتنا سال کی نمازیں قضا ہیں اتنا سال تک اندازہ لگا کر نمازیں قضا کی جائیں، انشاء اللہ نجات ہوجائے گی۔

داڑھی رکھنے والے کو مولانا یا مولوی کہنا

عمران احمد قریشی، کراچی

س:......آج کے دور میں اکثر مسلمان داڑھی تو رکھ لیتے ہیں مگر ان کا دین سے دور تک کا تعلق نہیں ہوتا اور ہمارے مسلمان بھائی سمیت اکثر لوگ انہیں مولانا صاحب یا مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں، اس طرح کچھ عاقبت نااندیش بھی ہوتے ہیں جو حلیہ مسلمانوں کی طرح بنالیتے ہیں اور وہ نام کے مسلمان ہی ہوتے ہیں لوگ انہیں بھی مولوی یا مولانا صاحب پکارتے ہیں، جبکہ ایسے افراد انتہاپسندی کے کاموں میں حصہ لے کر مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔

ج:......مولانا یا مولوی صاحب کا لفظ لغت کے اعتبار سے تو دوست، حبیب اور سردار کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن اصطلاح میں یہ لفظ کسی باقاعدہ عالم وفاضل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، بہر حال یہ عزت وتوقیر کا لفظ ہے تو اسی انسان پر بولا جائے جو علم وعمل اور شکل وشباہت کے اعتبار سے اس کا اہل ہو۔

وراثت میں بیوہ کا حق

فوزیہ علی، کراچی

س:......میرے سسرال والوں نے میرے بیٹے کا اور میرا حق جو کہ شوہر کے مرنے کے بعد بنتا ہے، اگر نہیں دیا تو کیا میں قانونی کارروائی کا حق رکھتی ہوں؟ یا میں ان کا انتظار کروں کہ وہ مجھے خود دے دیں، میں بیوہ عورت ہوں، مالی طور پر بھی پریشان ہوں مگر ماہانہ بھی نہیں باندھتے۔ بتائیں میں کیا کروں؟ مجھے ان سوالوں کا صحیح جواب دیں اور جلد سے جلد جواب دیں، شکریہ۔

ج:......آپ اپنا جائز حق لینے کے لئے قانون کا سہارا لے سکتی ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ صلح صفائی سے یہ سب کچھ ہوجائے تو ہر دو کے لئے بہتر ہوگا آپ کے سسرال والوں کو اس ظلم سے باز آجانا چاہئے ورنہ ان کو بھی ایک دن قبر میں جانا اور حساب دینا ہے۔

ہفت روزہ
ختمِ نبوۃ
مجلس

مجلسِ ادارت

مولانا سعید احمد جلالپوری — صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی — مولانا محمد اسمعیل شجاع آبادی
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری — مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۲۸ ۱۸تا۲۴/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶تا۲۲/جنوری ۲۰۰۹ء شمارہ:۳

سرپرست
حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ

مدیر اعلیٰ
مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا اللہ وسایا

معاون مدیر
عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

تزئین و آرائش:
محمد ارشد خرم محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

مرزا قادیانی کے خاندان کا کردار	۵	مولانا محمد اعجاز
انسداد جرائم میں قصاص کی اہمیت	۷	افصار احمد معروفی
دنیا کا عظیم جرنیل	۱۰	راؤ محمد اسلم خان
عورتوں کے حقوق کا علمبردار....	۱۲	افتخار شاہ بخاری
بے حیائی کا وبال	۱۴	مولانا زین العابدین اعظمی
امت محمدیہ کی بنیاد	۱۷	افادات: مولانا محمد علی جالندھری
معاشرے کی تین بیماریاں	۲۰	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
وقت کی اہمیت.....	۲۳	مولانا اسد اللہ
گل دستہ	۲۶	انتخاب: حافظ محمد سعید لدھیانوی

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

زرِ تعاون بیرون ملک
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا:۹۵ ڈالر یورپ، افریقہ:۷۵ ڈالر سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک:۶۵ ڈالر

زرِ تعاون اندرون ملک
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی:۲۲۵ روپے، سالانہ:۴۵۰ روپے
چیک-ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت، اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور اکاؤنٹ
نمبر 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں۔

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون:۲۷۸۰۳۳۷،۴۲۳۴۴۷۶ فیکس:۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat(Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:2780337, 4234476 Fax:2780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون:۴۵۱۴۱۲۲-۴۵۸۳۴۸۶ فیکس:۴۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road Multan
Ph:4583486-4514122 Fax:4542277

لندن آفس:
35.Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

درسِ حدیث

دُنیا سے بے رغبتی

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

ایک عارف کا قول ہے کہ: ”اگر دُنیا میں اور کوئی بُرائی نہ ہوتی اور بالفرض حساب وکتاب کا اندیشہ بھی نہ ہوتا تب بھی اس کی زوال پذیر کیفیت ایسی تھی کہ کوئی عاقل اس سے دل نہ لگاتا۔“ ایک اور عارف فرماتے ہیں:

حالِ دُنیا را بپرسیدم من از فرزانہ
گفت یا ظلے است یا بادیست یا افسانہ!
باز پرسیدم کہ گو آں کس کہ دل دروے بہ بست
گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانہ!

”میں نے ایک دانا سے دُنیا کا حال دریافت کیا، تو فرمایا: اسے سایہ سمجھو، یا ہوا، یا افسانہ۔ میں نے پھر عرض کیا کہ: اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو یہاں دل لگا بیٹھے؟ فرمایا: وہ کوئی جن بھوت ہوگا یا پھر دیوانہ ہوگا۔“

سوم:...دُنیا کی ایک قباحت یہ ہے کہ یہاں کوئی لذت بھی خالص نہیں، بلکہ ہر لذّت بیسیوں آفات ومصائب میں لپٹی ہوئی ہے، آدمی دو وقت کا کھانا کھاتا ہے، اسی پر غور کرلیا جائے کہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے اسے کن مصیبتوں اور مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ اور پھر کھانے کے بعد بیسیوں بیماریاں اور مصیبتیں جنم لیتی ہیں، اور اگر خدا خدا کرکے صحیح ہضم بھی ہوگیا تو اس کا نتیجہ بول وبراز جیسی گندگی کی شکل میں رُونما ہوتا ہے، لوگ اس دُنیا میں عزّت ووجاہت اور مال ومنال کے پیچھے دوڑتے ہیں، مگر آفات ومصائب اور پریشانیوں کے جال میں گرفتار ہوکر رہ جاتے ہیں، دُنیا کا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص جس قدر لذات کی جستجو کرے گا اسی قدر آفات کا شکار ہوگا، اور جو شخص جس قدر قناعت سے کام لے گا اسی قدر آسودہ رہے گا۔

چہارم:...دُنیا کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہاں کسی کا پیٹ نہیں بھرتا، بلکہ جس قدر دُنیا سمیٹنے کی زیادہ کوشش کرے اسی قدر اس کی بھوک بڑھتی جاتی ہے، بالآخر اِستسقاء کے مریض کا سا حال ہوجاتا ہے کہ اگر دریا بھی ہڑپ کرجائے تب بھی پیاس نہیں بجھتی۔ اس لئے عقل مند وہ ہے جو یہاں بقدرِ کفاف پر قناعت کرے اور جوع البقر میں مبتلا نہ ہو۔

پنجم:...دُنیا کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں آدمی کا انہماک جس قدر بڑھتا ہے اسی قدر آخرت سے غفلت بڑھتی جاتی ہے، گویا دُنیا و آخرت دونوں مخالف سمت میں واقع ہیں کہ ایک کی طرف جتنا قرب ہوگا، دُوسری سے اسی قدر بُعد بڑھتا جائے گا، اور آخرت چونکہ انسان کا اصلی وطن ہے اور حق تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لئے دُنیا میں انہماک کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اصلی وطن کی تیاری سے محروم رہ جائے گا۔

اِمام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ دُنیا میں منہمک ہوکر آخرت سے غافل ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوکر سفر کر رہے تھے، کشتی ایک جزیرے کے ساحل پر ٹھہری، لوگ اپنی ضروریات کے لئے جزیرے میں اُتر گئے، کچھ احمقوں کو وہاں کے سبزہ زار ایسے پسند آئے کہ انہی میں مگن ہوکر رہ گئے، کشتی اپنے وقت پر چھوٹ گئی، اور یہ رات کے وقت جزیرے کے درندوں کا لقمۂ تر بن گئے۔

ششم:...دُنیا کی ایک سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ آدمی کو یہاں کی ہر چیز کا حساب چکانا ہے، ابتدائی زندگی سے لے کر مرنے تک پوری زندگی کی آمد وصرف کا حساب جس شخص کے سامنے ہو، وہ یہاں کی لذات سمیٹنے کی درپے ہوگا؟ یا اپنا بوجھ زیادہ سے زیادہ ہلکا رکھنے کی کوشش کرے گا؟ یہاں آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جتنی دولت کسی کے پاس زیادہ ہو، اور عیش پرستی اور تنعم کے اسباب جتنے زیادہ فراہم ہوں، وہ اسی قدر کامیاب ہے۔ مگر کل جب حساب وکتاب کے کھاتے کھلیں گے تب نظر آئے گا کہ اس دُنیا میں جو لوگ جتنے زیادہ ہلکے پھلکے تھے اسی قدر کامیاب نکلے۔ اس لئے یہاں کی کامیابی درحقیقت ناکامی وہلاکت ہے، اور یہاں کی ناکامی درحقیقت کامرانی ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم اور اِرشاداتِ نبویہ میں جس دُنیا کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ اس سے وہ دُنیا مراد ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی طاعت وبندگی اور آخرت کی تیاری سے غافل کردے، ورنہ دُنیا کی وہ چیزیں جو یادِ اِلٰہی اور یادِ آخرت میں معاون ہوں وہ مذموم نہیں، بلکہ آخرت کے حصول کا ذریعہ ہونے کے لحاظ سے ممدوح ہیں۔

اور یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ دُنیا کی چیزوں کو اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کمزور بندوں کی معاش کے لئے عطا فرمائی ہیں تو ان کی حیثیت عطیۂ اِلٰہی اور اِنعامِ رَبانی کی ہوجاتی ہے، اس لحاظ سے وہ لائق قدر اور مستوجبِ شکر ہیں، اللہ کے مقبول بندے یہاں کے ذرائع واَسبابِ معاش کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان پر کریم آقا کا شکر بجالاتے ہیں، اور دُنیا کی یہ نعمتیں ان کے لئے جمال وجلالِ اِلٰہی کے دیدار کا آئینہ بن جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حق تعالیٰ کے اَحکام سے غافل ہوکر دُنیا کی لذات میں منہمک ہوجاتے ہیں ان کے لئے یہی نعمتیں حق تعالیٰ سے سرکشی اور بغاوت کا ذریعہ بن جاتی ہیں، وہ شکر کے بجائے کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں۔

(جاری ہے)

اداریہ

مولانا محمد اعجاز

مرزا قادیانی کے خاندان کا کردار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مرزائیت کسی مذہب کا نام نہیں، بلکہ اسلام کے خلاف بغاوت اور اس کے ایک ایک رکن اور ایک ایک تصور کے خلاف بہت بڑی سازش ہے۔ انگریز نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کے تحفظ اور اسلام کے خاتمہ کے لئے مرزائیت کو جنم دیا، پھر اس کی آبیاری اور پرورش کی خاطر ہر طرح کی اعانت و سرپرستی کی۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا باپ مرزا غلام مرتضٰی اور مرزے کا چچا غلام محی الدین سکھوں اور انگریز کی فوج سے مل کر مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کو برباد اور مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتارتے رہے ہیں، حتیٰ کہ اس زمانہ میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ جنہوں نے سکھوں کے ظلم و ستم کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا، ان کے خلاف سازشوں میں یہ گروہ بھی پیش پیش رہا۔ بالآخر انہوں نے حضرت شاہ اسماعیلؒ کو شہید کر کے دم لیا۔

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر الدین محمود اپنی کتاب ''سیرۃ المہدی'' میں فخریہ انداز میں لکھتا ہے:

''.... اس کی وفات پر رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھ مل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا غلام مرتضٰی کو واپس قادیان بلا لیا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اسے واپس دے دیا، اس پر غلام مرتضٰی اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر (مسلمانوں کے خلاف) قابل قدر خدمات انجام دیں....''

''.... اور ۱۸۴۲ء میں ایک پاپیادہ فوج کا کمیدان بنا کر پشاور روانہ کیا گیا، ہزارہ مفسدہ میں اس نے کارہائے نمایاں کئے اور جب ۱۹۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار (سکھوں) کا نمک حلال رہا اور اس کی طرف سے (مسلمانوں کے خلاف) لڑا، اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے بھی اچھی خدمات کیں...''

''.... اس خاندان نے غدر ۱۸۵۷ء کے دوران بہت اچھی خدمات کیں۔ غلام مرتضٰی نے بہت سے آدمی بھرتی کئے اور اس کا بیٹا غلام قادر جنرل نکلسن صاحب بہادر کی فوج میں اس وقت تھا...''

''... صاحب بہادر نے غلام قادر کو ایک سند دی جس میں یہ لکھا ہے: ۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور تمام

دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا۔“ (سیرۃ المہدی، ص:۶ تا۸، مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود)

مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ کا مسلمانوں کے خلاف جو کردار رہا وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب خود مرزا کا کردار ملاحظہ فرمائیے:

”آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا ہے، اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے، دراپنا نام غازی رکھتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔“

”... سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں، ہماری طرف سے امن اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے...“

(تبلیغ رسالت، ج:۹، ص:۴۷)

”... میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچادیا ہے میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔“

(تریاق القلوب، ص:۲۷، ۲۸، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۵، ص:۱۵۵، ۱۵۶ از مرزا غلام احمد قادیانی)

جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کے بعد اس کا بیٹا نام نہاد خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

”... اب زمانہ بدل گیا ہے، دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا، اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا، مگر اب مسیح اس لئے کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے۔“ (عرفان الٰہی، ص:۹۳)

”خدا تعالیٰ نے آپ (مرزا غلام احمد) کا نام عیسیٰ رکھا ہے تا کہ پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکایا تھا مگر آپ زمانہ کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں۔“ (تقدیر الٰہی، ص:۲۹)

ملک کے ان نازک حالات کے تناظر میں حکام، عوام اور افواج پاکستان چوکنا رہیں کہ ہوس زر، مال و دولت کی بھوک مٹانے اور اپنے خلیفہ کے اکھنڈ بھارت کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی غرض سے قادیانی اپنے بڑوں کی پرانی روش اور دین دشمنی کی بنا پر مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف دشمن کے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے سے باز نہیں آئیں گے، اس لئے انگریز کے خود کاشتہ پودے کی ذریت، اس کی روحانی و نسبی اولاد اور غیر مسلموں کے پرانے وفاداروں کی کڑی نگرانی کی جائے۔

پاکستان کے حکمران، قادیانیت سے ناواقف مسلمان عوام اور عصری درس گاہوں سے تعلیم یافتہ نوجوان جو قادیانیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کے مصنوعی کارناموں کو بنظر استحسان دیکھنا شروع کر دیتے ہیں وہ ان کے عقائد، ان کی عبارات اور ان کے عزائم و کردار کو بار بار پڑھیں، قادیانیوں کے ناپاک عزائم کو سمجھیں اور ان کی چالوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کریں۔

امت مسلمہ کا یہ دیرینہ مطالبہ رہا ہے کہ جن کلیدی عہدوں پر قادیانی براجمان ہیں، خصوصاً فوج میں ان کو فوری طور پر برطرف کر کے ان کی جگہ صاحب ایمان، باکردار اور جذبہ جہاد سے سرشار مسلمانوں کو ان کی جگہ تعینات کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اللہ پاک ہمارا حامی و ناصر ہو۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحبہ اجمعین۔

انسداد جرائم میں قصاص کی اہمیت

آج دنیا میں قتل و غارت گری عام، ہر طرف لوٹ مار کا دور دورہ ہے، انسان کے جان و مال پر ہر وقت خطرے کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں، یہ خطرہ انسان کو انسان ہی سے لاحق ہے، دوست ہی دوست کی جان کی فکر میں رہتا ہے، کبھی غیر اپنے بن کر مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں اور کبھی اپنے، غیر بن کر یہی سب کر گزرتے ہیں، رشتہ دار اور پڑوسی بھی اکثر نقصان پہنچانے کی تاک میں لگے رہتے ہیں، اس لئے دوستوں سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے، اپنوں اور رشتہ داروں کا اعتبار کم ہوتا جارہا ہے، حتیٰ کہ ہر ایک شک کے دائرے میں نظر آنے لگتا ہے۔

آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور اسے دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اس کی صحیح سلامت واپسی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں، کبھی تو آدمی قدرتی آفات و مصائب کا شکار ہوجاتا ہے، بستی کی بستی زلزلے سے لقمہ اجل بن جاتی ہے، کبھی ٹرین تصادم کے بعد شکست و ریخت کا شکار ہوجاتی ہے اور سینکڑوں انسان دیکھتے ہی دیکھتے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، مگر یہ سب تو قدرتی آفات ہیں جو ہوتے ہی رہتے ہیں مگر اس سے ہٹ کر پوری دنیا میں لوٹ مار کا جو بازار گرم ہے، جگہ جگہ بم بلاسٹ جیسے اندوہناک واقعات ہورہے ہیں، اس سے ہر انسان خوفزدہ ہے، گھر سے نکلتے ہوئے ڈر رہا ہے بلکہ اب تو گھر بیٹھے بیٹھے جو گرفتاری ہورہی ہے، اس سے ہر انسان اور انصاف پسند شہری نالاں ہے کہ یہ مصیبت نہ جانے کب کس پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے مختلف قسم کے مظالم اور دردناک اذیت سے دوچار ہوجائے۔

فتنے ہی فتنے:

اب معمولی بات پر چاقو نکل آتا ہے، تھوڑی تھوڑی کہاسنی پر چھرا گھونپ دیا جاتا ہے اور نظر انداز کردی جانے والی بات پر قتل ہوجاتا ہے، سفر کے دوران چائے پلاکر بے ہوش کرکے لوٹ لیا جاتا ہے اور بعض مرتبہ بے وجہ بھی قتل کردیا جاتا ہے، بعض لوگوں نے قتل کرنے کو اپنا پیشہ اور ذریعہ معاش بنالیا ہے، قاتل بھی نہیں سمجھ پاتا کہ میں نے اس کو کس دشمنی میں قتل کیا ہے اور مقتول کو بھی اپنے قتل کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

لگتا ہے قرب قیامت کا وہی زمانہ آگیا ہے،

انصار احمد معروفی

جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی تھی کہ فتنے بارش کی طرح برسیں گے۔ (بخاری، مشکوٰۃ، ص:۴۶۳)

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک لوگوں پر وہ دن نہ آجائے کہ قاتل کو معلوم نہ ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مقتول کو وجہ معلوم ہوگی کہ وہ کیوں مارا جارہا ہے، عرض کیا گیا کہ یہ کیسے ہوگا؟ فرمایا کہ قتل و قتال کی وجہ سے اور قاتل و مقتول دونوں جہنم کے مستحق ہوں گے (کیونکہ مقتول بھی قتل کرنے کی فکر میں تھا)۔ (مسلم، مشکوٰۃ، ص:۴۶۲)

اس وقت دنیا میں ایذا رسانی، توڑ پھوڑ اور قتل و غارت گری کے جتنے واقعات ہورہے ہیں یا آئندہ اس میں جتنا بھی اضافہ ہوگا جیسا کہ ہر سال کی سروے رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے، اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ انسانوں نے احکم الحاکمین کے فیصلے پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، ایمان والوں نے قرآن کریم کے فیصلے پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، ان سے قرآن کریم میں کہا گیا، پوری آیت کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ:

”اے ایمان والو! تم پر قصاص (برابری) فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں، آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام، عورت کے بدلے میں عورت، پھر جس کو معاف کردیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے تو معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا ہے اور خوبی کے ساتھ قاتل کے ذمہ اس مال کا مدعی کے پاس ادا کرنا ہے، یہ قانون تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور شاہانہ ترحم ہے ورنہ بجائے قتل کے کوئی گنجائش نہ ہوتی، پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کو بڑا دردناک عذاب ہوگا اور تمہارے واسطے قصاص بھی بڑی زندگی ہے اے عقلمندو! تاکہ تم اس طرح کی حرکتوں سے بچتے رہو۔“ (البقرہ)

اسلامی حدود کے نفاذ کے فوائد:

آج اگر انسانی دنیا میں آیت قصاص پر عمل

ہوجائے تو بلاشبہ دنیا سے موجودہ قتل وغارت گری میں کمی ہوجائے، کیونکہ قاتل کو اگر اپنے قتل کیے جانے کا یقین ہوتو وہ آسانی کے ساتھ ہتھیار نہیں اٹھاسکتا اسے مقتول کے قتل میں اپنے قتل کی تصویر نظر آئے گی اور وہ کسی کی طرف دست درازی سے رک جائے گا، چنانچہ آج جہاں بھی بطور مثال سعودی عربیہ وخلیجی ممالک وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس حکمت پر مبنی قصاص اور اسلامی حدود پر عمل ہورہا ہے، وہاں جرائم اور قتل کی واردات پوری دنیا میں سب سے کم ہیں اور یورپین اور دوسرے ممالک غیر اسلامی جہاں کے سراغ رساں ادارے اور ذرائع بہت مشہور ہیں وہاں قتل کی مختلف غیر اسلامی سزا کے باوجود سب سے زیادہ جرائم اور قتل ہوتے ہیں، زنا بالجبر کے حادثات فحاشی اور بے حیائی کے عام ہونے کے باوجود بے تحاشہ رونما ہوتے ہیں جب کہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"جان کے بدلے جان، آنکھ کے پھوڑنے کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کاٹنے کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت، غرض ہر زخم کا بدلہ ہے، البتہ جو معاف کردے تو معافی اس کے لئے کفارہ ہوجائے گی، ہاں جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ بدکار (کافر، ظالم) ہیں۔" (النور)

آیت کا ترجمہ بہت واضح ہے کہ جس شخص نے کسی کا کوئی جانی یا مالی نقصان کیا تو اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کے ساتھ بدلے کے طور پر وہی سلوک کیا جائے تاکہ معاشرہ میں اور لوگوں کو عبرت ہو اور لوگ جرائم کے ارتکاب سے بچیں، اسی لئے بعض بڑی سزائیں جیسے حد زنا و قتل وغیرہ کے سرعام جاری کرنے کے احکامات ہیں، چنانچہ فرمایا: "ولیشھد عذابھما طائفة من المومنین" فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا لوگوں کے لئے عبرت ہے تاکہ لوگ اس طرح کی حرکت سے بچیں۔

بعض ناواقف لوگ اسلامی حدود کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اعتراض کردیتے ہیں کہ اسلامی سزائیں بہت سخت ہیں انہیں غور کرلینا چاہئے کہ سزا تو سختی کا نام ہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ سزائیں منجانب اللہ مقرر ہیں جو انسانوں کا خالق و مالک اور انسانی فطرت سے پوری طرح واقف ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کس طرح کے جرم پر کون سی سزا زیادہ مناسب، کارگر اور مفید ہے تاکہ وہ مجرم اور دوسرے لوگ آئندہ اس طرح کی حرکت سے بچ سکیں اور معاشرے میں چین سکون اور امن قائم ہوسکے۔

قتل کی سزا قتل نہ ہونے کی وجہ سے ایک قاتل بڑی جرأت کے ساتھ قانون اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہتا ہے کہ میں فلاں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا چاہے مجھے کچھ دنوں کے لئے اندر جانا پڑے، میں جیل کی سزا کاٹ لوں گا وغیرہ وغیرہ۔ جرائم کے عام ہونے کی وجوہات میں معاملے کے تصفیے میں بے انتہا تاخیر، جھوٹی گواہی، رشوت وغیرہ کا بول بالا بھی ہے۔

دور نبوی میں اسلامی حدود کا نفاذ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں جرم ثابت ہوجانے کے بعد اسلامی سزا کو جاری فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے ایک بچی کے سر کو دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر کچل دیا، بچی سے پوچھا گیا کہ کس نے تمہارے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ کیا فلاں آدمی نے؟ یہاں تک کہ ایک یہودی کا نام بھی لیا گیا، اس نے اشارے سے کہا: ہاں! اس یہودی کو بلایا گیا، اس نے آکر اعتراف کیا، اس کے سر کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کچلنے کا حکم دیا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رُبیع جو حضرت انس بن مالک کی پھوپھی ہیں نے ایک انصاری لڑکی کے آگے کے دو دانت توڑ دیئے، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ لے کر آئے، آپ نے قصاص (بدلہ) کا حکم دیا، حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے (خدا پر اعتماد کرتے ہوئے پیشنگوئی کے طور پر یہ بات کہی کہ) قسم اللہ کی، اے اللہ کے رسول! اس بچی کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! قرآن پاک میں قصاص کا حکم ہے، خدا کا ایسا کرنا ہوا کہ اس کی قوم نے فدیہ لینا منظور کرلیا (اور اس طرح حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی قسم پوری ہوئی اور جو کہہ دیا تھا سچ ہوا) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اللہ کے بندوں میں سے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح پورا کردے۔ (حوالہ مذکورہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ اس کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے بلکہ رحم کھاکر چھوڑ دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر فاطمہ ہوتی تو بھی میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (نسائی، مشکوٰۃ)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مجھے پاک کردیجئے، آپ نے ناگواری کا کلمہ کہا اور کہا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو، وہ چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر آئے اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گناہوں سے پاک کردیجئے، آپ نے پھر وہی بات فرمائی، ایسا جب چار بار ہوا تو ان

سے رسول اللہ نے فرمایا کہ کس گناہ سے تم کو پاک کروں؟ انہوں نے کہا کہ زنا سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو جنون تو نہیں ہوگیا؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ پاگل نہیں ہیں، آپؐ نے پھر پوچھا کہ شراب تو نہیں پی لی ہے جس کا یہ اثر ہو، ایک آدمی اٹھے اور ان کا منہ سونگھا تو شراب کی بو معلوم نہیں ہوئی۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے زنا کیا ہے؟ کہاں کہ ہاں! آپؐ نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم دے دیا، (ابھی حدیث کا آخری ٹکڑا باقی ہے مگر دوسری حدیث میں یہ تفصیل بھی ہے کہ) ہم نے ان کو مقام حرہ میں پکڑلیا اور سنگباری اتنی کی کہ وہ مرگئے، آپؐ نے ان کے حق میں کلمہ خیر کہا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی، دوسری روایت میں ہے کہ زانی اور زانیہ کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے سچے دل سے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ والے ایسی توبہ کرلیں تو سب کی توبہ قبول ہوجائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

مسلم شریف کی روایت کا آخری حصہ یہ ہے کہ ماعز کے سنگسار کے دو یا تین دن کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے استغفار کرو، انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت میں اسے تقسیم کردیا جائے تو ان کو کافی ہوجائے پھر "ازد" کی ایک غامدی عورت آپؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے پاک کردیجئے، آپؐ نے افسوس کا کلمہ کہا اور کہا جاؤ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو، عورت نے کہا کہ آپ مجھے ماعز بن مالک کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں، میں زنا کی وجہ سے حمل سے ہوں، آپؐ نے پوچھا کہ تم؟ کہا کہ ہاں! آپؐ نے فرمایا کہ جب تک وضع حمل نہ ہوجائے میں سزا نہیں جاری کروں گا، اس عورت کی ایک انصاری نے کفالت کی یہاں تک کہ پیدائش ہوئی، انصاری نے آکر آپؐ کو خبر دی کہ غامدیہ کے یہاں ولادت ہوگئی، آپؐ نے کہا: تب ہم کس طرح رجم کرسکتے ہیں جب کہ بچہ چھوٹا ہے، اس کی کون دیکھ بھال کرسکتا ہے اور دودھ پلاسکتا ہے، اس پر انصار میں سے ایک صحابی اٹھے اور انہوں نے اس کی رضاعت کی ذمہ داری لی، راوی کہتے ہیں کہ تب آپ نے اس عورت کو سنگسار کردیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ابھی جاؤ ولادت کے بعد آنا، ولادت کے بعد جب وہ آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اور اس کو پوری مدت دودھ پلاؤ، دودھ چھڑانے کے بعد وہ اس حال میں آئی کہ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی تھا، کہنے لگی کہ اے اللہ کے نبی! میں نے اس کو دودھ چھڑادیا ہے اور اب یہ کھانا کھانے لگا ہے، آپؐ نے بچہ کو ایک صحابی کو پرورش کے لئے دے دیا، آپؐ نے غامدیہ کے لئے سینہ تک ایک گڑھا کھدوایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اسے سنگسار کردیا جائے، حضرت خالد بن ولید آگے بڑھے اور پتھر چلا کر مارا، پتھر سر میں لگا اور خون بہنے لگا، خالد کے چہرے پر اس کے خون کے چھینٹے پڑ گئے، انہوں نے اس کو برا بھلا کہہ دیا، آپؐ نے منع فرمایا اور کہا: نرمی سے کام لو، اے خالد! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ویسی توبہ کوئی خیانت کرنے والا صاحب تاوان کرلے تو اس کی بھی بخشش ہوجائے، پھر آپؐ نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کردیا۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جس کا نام عبداللہ تھا، اس کا لقب "گدھا" تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا، اس کو شراب پینے کی وجہ سے کوڑا مارا جاچکا تھا، ایک دن اسی حالت میں اسے لایا گیا اور پھر اسے کوڑے لگائے گئے، ایک صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے کہ اکثر اسی جرم میں ماخوذ ہوتا ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ لعنت اس پر نہ کرو، قسم بخدا! جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

(بخاری، مشکوٰۃ، ص:۳۱۴)

قصاص کیا ہے؟:

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ: "قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے، اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ (معارف القرآن،۱/۴۳۳)

اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زیادتی کے بارے میں اصولی بات فرمائی کہ بدلہ لینے میں زیادتی نہیں ہونی چاہئے۔

"وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به۔" دوسری جگہ فرمایا: "فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم"

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے، باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (قرطبی)

مسئلہ:

اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جائے... تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہ رہا، اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے نہیں کیا تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہوگیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جاوے گا اور خون بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار، یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو، سولہ تولے ۸ ماشہ چاندی ہوئی، یعنی ۳۶ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے۔ (معارف القرآن،۱/۴۳۳)

دُنیا کا عظیم جرنیل

راؤ محمد اسلم خان

آج کل قومی عصبیت کا دور دورہ ہے۔ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک کے تاریخ نویس اس بات پر زیادہ سے زیادہ زور صرف کرتے ہیں کہ ان کے ہیرو کو دنیا کا سب سے بڑا انسان تسلیم کرلیا جائے، تاریخوں میں بے شمار ایسے نام ملیں گے جن کے ساتھ ’’فاتح اعظم‘ عظیم الشان سپاہی‘ دنیا کے سب سے بڑا جرنیل‘‘ وغیرہ القاب لکھے ہوئے ہوں گے، لیکن اگر کوئی مورخوں کے عطا کردہ ان اعزازات کو دلیل اور انصاف کے ترازو میں تولنے لگے تو مایوسی اور افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ تحقیق کرنے والا دیکھے گا کہ محض قوم پرستی کے جوش میں بعض ایسے لوگوں کو ان معزز خطابات سے نواز دیا گیا ہے، جن کے قابل فخر کارناموں کی وجہ سے تاریخ کے صفحات میں ان کو کوئی ادنیٰ سی پوزیشن بھی نہیں ملنی چاہئے۔

لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کے حالات پڑھنے کے بعد ہر انصاف پسند اور صاحب ذہن انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ اسلام کے اس عظیم الشان سپاہی کے نام کے ساتھ دنیا کا سب سے بڑا جرنیل بہت ادنیٰ درجے کا خطاب ہے، اس کے محیر العقول کارنامے دلیل بن کر قدم قدم پر مطالبہ کرتے ہیں کہ نہ صرف اسلام کی بلکہ دنیا کی تاریخ میں اسے وہ مقام دیا جانا چاہئے جس کا مستحق دنیا کے کسی فاتح کسی جرنیل اور کسی سپاہی کو نہیں سمجھا گیا بقیہ دوسری قوموں اور ملکوں کی تاریخوں میں بھی ایسے لوگوں کے تذکرے ملیں گے، جنہوں نے اپنی تلوار اور تدبیر کی بدولت زمانے سے اپنا لوہا منوایا جنہوں نے بڑے بڑے معرکے سر کرکے قوموں کی قسمتیں اور دنیا کا نقشہ بدل دیا لیکن اپنی پوری زندگیوں میں کتنی بار یہ کارنامے انجام دیئے؟ جن قوموں اور ملکوں کو انہوں نے شکست دی ان کی حربی قوتیں کیا تھیں؟

اگر ان سوالوں پر غور کیا جائے تو دنیا کے فاتحین کو حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلے میں ہرگز نہیں لایا جاسکتا، تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ قوت کے نشے میں سرشار ہوکر طاقتور قوموں نے اپنی کمزور ہمسایہ قوموں پر یلغار کی اور شہنشاہوں کی شجاعت کا ملمع چڑھا کر تاریخ کے اوراق کی زینت بنادیا۔

سکندر، نپولین اور دنیا کے دوسرے فاتحین کی داستانوں کا تجزیہ کرنے کے بعد صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ طاقت نے کمزوری کو، کثرت نے قلت کو اور ظلم نے مظلومی کو فتح کیا؟

ان فاتحین کی داستانوں میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی داستان جیسا رنگ کہاں کہ ہمیشہ مظلومی نے ظلم کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہو، قلت نے کثرت کو چیلنج کیا ہو، بے سروسامانی نے سازوسامان والوں سے ٹکر لی ہو یا پیادہ غازیوں نے آہن پوش سواروں کو نیچا دکھایا ہو۔

دنیا کے دوسرے فاتحین کی داستانوں میں ایسے تابندہ ٹکڑے کہاں کہ جنگ یرموک میں دشمن کی ساٹھ ہزار فوج کے مقابلے میں حضرت خالد بن ولیدؓ صرف ساٹھ مجاہد لے کر نکلتے ہیں اور اس شان سے فتح حاصل کرتے ہیں کہ دشمن پیٹھ پھیر کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا۔

جنگ موتہ میں مسلمانوں کی کل تعداد تین ہزار تھی اور رومی ایک لاکھ سے زیادہ تھے پھر حضرت خالدؓ نے ایسے وقت فوج کی کمان سنبھالی تھی جب حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تین جلیل القدر سالاروں کی شہادت کے باعث حوصلے پست ہورہے تھے، لیکن انہوں نے اپنی خداداد قابلیت اور بے مثل شجاعت سے ایک لاکھ رومیوں کو شکست فاش دی، حضرت خالدؓ بن ولید کی کتنی بڑی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کم وبیش سوا سو لڑائیاں لڑیں جن میں ان کی فوج، طاقتور دشمن کے مقابلے میں پاسنگ کے برابر ہوتی تھی، لیکن کسی ایک لڑائی میں بھی شکست نہیں کھائی۔

واٹرلو کی شکست کا حال پڑھ کر ہمیں نپولین کے یہ الفاظ بالکل مذاق معلوم ہوتے ہیں کہ ناممکن مہمل لفظ ہے، اسے لغات سے خارج کردینا چاہئے، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کی زندگی کا ہر واقعہ اس فقرے پر گواہی دیتا ہے۔

حضرت خالدؓ کو عراق میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط ملتا ہے کہ ابوعبیدہؓ کی امداد کے لئے فوراً آجاؤ، وہ شام کی طرف کوچ کرنے کا قصد فرماتے ہیں اور عین التمر کی راہ سے جو سب سے قریب راستہ ہے حدود شام میں داخل ہونے کی تجویز پیش کرتے ہیں، اس دشوار گزار صحرا کی مشکلات سے واقفیت رکھنے والے حضرت رافعؓ حضرت خالدؓ کو مشورہ دیتے ہیں کہ

عین التمر کی راہ سے تشریف لے جانے کا قصد ترک کر دیجئے، کیونکہ اس خوفناک صحرا میں قدم رکھنا جان بوجھ کر موت کو دعوت دینا ہے، یہ ایسا راستہ ہے کہ پانچ دن کی منزل پانی کا ایک قطرہ بھی کہیں سے دستیاب نہ ہوگا، سواری اور بار برداری کے جانوروں کا ہلاک ہوجانا یقینی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو حضرت رافعؓ کے اس مشورے کو قبول کر کے قریبی راہ سے جانے کا ارادہ ترک کر دیتا لیکن حضرت خالدؓ بن ولید کسی مشکل سے گھبرانے کی جگہ اس پر قابو پانے کی تجاویز سوچتے ہیں کہ چالیس اونٹوں کو اچھی طرح پانی پلا کر ان کے منہ باندھ دیئے اور اعلان کر دیا کہ ہر مسلمان اپنی ضرورت کے مطابق پانی ساتھ لے لے۔

آپ ہر منزل پر ایک اونٹ ذبح کرواتے ہیں اور ان کے پیٹ سے نکلا ہوا پانی ٹھنڈا کر کے جانوروں کو پلواتے ہوئے موت کی اس وادی کو نہایت کامیابی سے عبور کر لیتے ہیں، یہ عزم اور تدبیر کا کتنا بڑا مظاہرہ ہے، اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے عرب کے وسیع ریگستانوں میں پیاس کے سبب ہلاک ہونے والے قافلوں کی ہڈیاں بکھری ہوئی دیکھی ہوں جو اس سے آشنا ہیں کہ بڑے سے بڑا بہادر بھی کسی ایسے راستے پر قدم بڑھانے کی جرأت نہیں کر سکتا، جس میں پانچ دن تک پانی ملنے کا امکان نہ ہو۔

ان تمام باتوں کے علاوہ حضرت خالدؓ کی زندگی میں سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہ ہے کہ ان کے ہمراہی صحرائے عرب کے غیر تربیت یافتہ مٹھی بھر افراد تھے خود انہوں نے بھی کسی فوجی کالج میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی تھی پھر مقابلہ کس کے ساتھ تھا، قیصر روم اور شہنشاہ ایران کے آہن پوش منظم لشکروں کے ساتھ جن کے وسائل اور سامان حرب کا کوئی اندازہ بھی قائم کرنا مشکل تھا وسیع اور دولت مند سلطنتیں ان کی پشت پر تھیں اور اپنے سالاروں کو برابر کمک بھیجتی رہتی تھیں ادھر مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کے پاس تلوار ہے تو نیام ندارد، نیزہ ہے تو ڈھال نہیں اور گھوڑا ہے تو زین سے محروم، اپنے وطن سے منزلوں دور، پرائے ملک میں جا کر بے سروسامان لشکر کا رومیوں کو شکست دینا معجزے سے کم نہیں، حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق اور شام میں جتنی لڑائیاں لڑیں ان تمام میں کوئی ایک جنگ بھی ایسی نہیں جس میں مسلمانوں کی تعداد دشمن کی فوج کے برابر ہو یا نصف کے برابر ہو لیکن ہر معرکہ میں کامیاب رہے ہر لڑائی میں دشمن کو نیچا دکھایا۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی بھی قوم کے ہیرو اور دنیا کے کسی جرنیل کی زندگی میں نہیں ملتیں انسانیت کی پوری تاریخ میں صرف حضرت خالدؓ بن ولید ہی ایک ایسے جرنیل ہیں جنہوں نے سامان حرب کی کثرت اور ٹڈی دل دشمن سے بتیس کی بتیس لڑائیاں حسن تدبیر اور شجاعت کے بل بوتے پر فتح کیں۔ انہیں اسلام کی صداقت اور اپنی مہم کی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح دوسرے دن سورج نکلنے کا۔ وہ قبل از وقت دشمن کی چالوں کو سمجھنے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے انہیں اپنے سپاہیوں کی جان اور عزت کا ہر وقت خیال رہتا تھا، ان کی زیادہ سے زیادہ کوششیں ہوتی تھیں کہ کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ لڑائی میں فتح ہو۔ بے غرض اولوالامر کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ اپنی معزولی کی خبر سن کر ان کے تیور پر بل نہیں آیا اور نہ ان کی جد و جہد اور جنگی مساعی میں فرق آیا۔ ☆☆

ایمانداری کا صلہ

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج میں تھا کہ مجھے ایک موتیوں کا ہار ملا، جس میں سرخ ڈوری تھی، دیکھا کہ ایک نابینا ضعیف آدمی ہیں جو اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور اعلان کرتے جارہے ہیں کہ جو کوئی شخص ہار لا کر دے گا اسے سو دینار دوں گا۔ میں نے وہ ہار ان کو دے دیا، انہوں نے سو دینار پیش کئے لیکن میں نے معذرت کر لی، اس کے بعد میں شام کی طرف چل پڑا بیت المقدس کی زیارت کی، زیارت سے فارغ ہو کر بغداد کے ارادے سے چل نکلا، حلب پہنچ کر ایک مسجد میں ٹھہر گیا، اس وقت مجھے سخت سردی بھی لگ رہی تھی اور بھوکا بھی تھا، لوگوں نے مجھے نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیا، میں نے نماز پڑھائی، انہوں نے مجھے کھانا کھلایا، یہ رمضان کی پہلی تاریخ تھی، وہاں کے نمازی کہنے لگے کہ: ہمارے امام صاحب فوت ہوگئے ہیں، اس لئے آپ یہ مہینہ ہمارے ساتھ رہیں اور نمازیں پڑھائیں، میں نے قبول کر لیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے امام صاحب کی ایک بیٹی ہے اس سے نکاح کر لیں، میں نے نکاح کر لیا، اس طرح وہاں ایک سال رہنا ہوا، اس سے میرا ایک بیٹا پیدا ہوا، ابھی نفاس کا زمانہ چل رہا تھا کہ میری بیوی بیمار پڑ گئی، ایک دن میں نے اس کے گلے میں پڑے ہوئے ہار کو غور سے دیکھا تو میں نے اسے سرخ ڈوری کی وجہ سے پہچان لیا کہ یہ وہی ہار ہے، میں نے اپنی بیوی کو سارا واقعہ سنایا، وہ بیچاری رو پڑی اور تعجب سے کہنے لگی کہ اچھا! آپ ہی وہ شخص ہیں؟ ابا رو رو کر دعائیں کرتے تھے کہ اے اللہ! میری بیٹی کو اس شخص جیسا شوہر عطا فرما، جس نے مجھے ہار لوٹایا تھا، دیکھئے اللہ نے کس طرح ان کی دعا قبول فرمائی۔ اس کے بعد میری بیوی کا انتقال ہو گیا، مجھے نہ صرف وہ ہار ملا بلکہ میراث بھی ملی، اس طرح میں بغداد واپس پہنچ گیا۔ (سیر اعلام النبلاء)

مرسلہ: ابو عمیرہ خان، کراچی

عورتوں کے حقوق کا علمبردار

اسلام یا مغرب

امریکا، برطانیہ، فرانس سمیت دیگر مغربی ممالک میں عورت کے حقوق کے سلسلے میں بڑی بڑی تقریبات، ریلیاں، کانفرنسیں وغیرہ منعقد ہوتی ہیں۔ اخبارات میں کالم لکھے گئے، تاہم یہ ایک المیہ ہے کہ آج مغربی اہل علم جب بھی عورت کے حقوق کی بات کرتے ہیں یا تاریخ مرتب کرتے ہیں تو اس باب میں اسلام کی تاریخی خدمات اور بے مثال کردار کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، اسلام کی آمد عورت کے لئے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام فرسودہ رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور عورت کو وہ حقوق دیئے جن سے وہ معاشرے میں عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی۔

اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو پابند کیا:

"اے رسول! مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کی نمائش نہ کریں، سوائے جسم کے اس حصہ کے جو اس میں کھلا ہی رہتا ہے۔"

اسلام سے قبل مشرکین عرب بلا امتیاز ہر عورت سے نکاح جائز سمجھتے تھے، باپ مرجاتا تو بیٹا ماں سے شادی کر لیتا، اسلام نے عورتوں کے حقوق نمایاں کرتے ہوئے بعض رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا اور اس کی پوری فہرست گنوادی، سورۂ نساء میں اس کی پوری فہرست موجود ہے۔

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا قرآن حکیم نے سورۂ نحل: ۵۸،۸۹ میں بیٹی کی پیدائش پر غم و غصے کو جاہلیت کی رسم اور انسانیت کی تذلیل قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی، دور جاہلیت کی اس رسم بد کا قلع قمع کیا، اسلام نے عورت کو درج ذیل نمایاں حقوق عطا فرمائے:

"شادی کا حق، نابالغ لڑکی کا بالغ ہونے پر ولی کی جانب سے کئے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا حق، مہر کا حق، حق زوجیت، کفالت کا حق مرد پر، عورت کا مرد پر یہ حق کہ وہ عورت پر اعتماد کرے، عورت سے حسن سلوک کا حق، خاوند پر بیوی کا یہ حق

افتخار شاہ بخاری

کہ وہ اس پر ظلم و زیادتی و تشدد نہ کرے، بچوں کی پرورش کا حق، خلع کا حق۔ طلاق کے بعد عورت کے حقوق میں مہر کا حق، میراث کا حق، بچوں کی تربیت کا حق بھی لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔"

اسلام میں عورت کا کردار صرف خاندان یا معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر عورت کو ریاستی سطح پر بھی کردار دیا گیا ہے، قرآن کریم میں مسلم معاشرے میں ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے مرد و خواتین دونوں کو برابر اہمیت دی گئی ہے، ارشاد ہوا:

"اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاتے ہیں ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب۔"

امریکا میں ۳/ جولائی ۱۷۷۶ء کا اعلان آزادی جدید جمہوری معاشرے کے قیام کی خشت اول سمجھا جاتا ہے مگر اس میں بھی عورت کو بنیادی انسانی حقوق کے قابل نہیں سمجھا گیا۔

"نو آبادیاتی معاشرے میں ایک شادی شدہ عورت کے کوئی حقوق نہ تھے اور نہ ہی انقلاب آزادی سے اس میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔"

(امریکن ہسٹری، نیویارک ۱۹۷۸ء، ص: ۱۳۲)

اس طرح جب جیفرسن نے اعلان آزادی میں "The People" کا لفظ استعمال کیا تو اس سے مراد سفید فام آزاد مرد تھے۔

انیسویں صدی کی امریکا کی عورتوں کے حقوق کی علمبردار Susan B. Anthony کو ۱۸۷۲ء میں صدارتی الیکشن میں ووٹ ڈالنے پر گرفتار کر لیا گیا اور سو ڈالر کا جرمانہ کیا گیا، کیونکہ اسے یعنی عورت کو قانونی طور پر حق رائے دہی حاصل نہیں تھا۔

Susan B. Anthony نے امریکی آئین کے دیباچہ کے درج ذیل مندرجات کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا کہ آئین کی رو سے عورت بھی ایک فرد ہے، جسے تمام آئینی حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ امریکی آئینی عبارت حسب ذیل ہے:

"ہم متحدہ ریاستوں کے عوام
ریاست ہائے متحدہ امریکا کے آئین کی
تشکیل اور نفاذ کرتے ہیں تاکہ زیادہ مکمل
یونین تشکیل دی جاسکے، انصاف قائم ہو،
داخلی امن واستحکام یقینی بنایا جائے، مشترکہ
دفاع مہیا ہو، فلاح عامہ کا فروغ ہو اور
اپنے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے
آزادی کی نعمت کا تحفظ کیا جائے۔"

۴/جون ۱۹۱۹ء کو امریکی کانگریس اور سینیٹ نے امریکی آئین کا ۱۹واں ترمیمی بل منظور کیا جس میں یہ قرار پایا کہ: "آرٹیکل ۱۹ کوئی ریاست یا متحدہ ریاستیں ریاستہائے متحدہ امریکا کے شہریوں کا حق رائے دہی جنس کی بنیاد پر ختم نہیں کرے گی۔"

امریکا میں ۱۹۲۰ء تک عورت کو رائے دہی کا حق حاصل نہیں تھا، انیسویں ترمیم کے بعد یہ حق عورت کو حاصل ہوا۔

۷/فروری ۱۹۴۸ء فرانس کی عبوری حکومت نے نئی جمہوریہ کے تین حقوق کا لازمی اعتراف کیا، اول عمومی "رائے دہی، دوم تعلیم اور سوم روزگار، مگر ۱۹۴۴ء میں عورتوں کو حق رائے دہی ان کی طویل جدوجہد کے بعد دیا گیا۔

آسٹریلیا میں ملک گیر سطح پر خواتین کو رائے دہی کا حق ۱۹۲۶ء میں دیا گیا۔

عورتوں کو سب سے پہلے حق رائے دہی دینے والا ملک نیوزی لینڈ تھا، جس نے ۱۸۹۳ء میں یہ حق تفویض کیا۔ آسٹریلیا میں پہلی بار ۱۹۴۳ء میں ایک خاتون پارلیمنٹ میں منتخب ہوئی جب کہ نیوزی لینڈ میں ۱۹۳۳ء میں، فن لینڈ میں ۱۹۰۷ء، ہالوے میں ۱۹۳۶ء، ڈنمارک میں ۱۹۱۸ء، یوکے میں ۱۹۱۸ء، جرمنی میں ۱۹۱۹ء، کینیڈا میں ۱۹۲۱ء اور ہالینڈ میں ۱۹۱۸ء میں پہلی بار خاتون رکن پارلیمنٹ منتخب ہوئیں۔

جبکہ اسلام نے یہ حق ریاست مدینہ کے قیام کے ساتھ ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت مبارکہ سے فراہم کیا، آپ کی اس سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں شمولیت یقینی بنائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں عورتیں جہاد میں برابر حصہ لیتی تھیں، آپ نے عورتوں کے جہاد میں حصہ لینے کی حوصلہ افزائی فرمائی، عورتوں کی یہ حیثیت اسلامی معاشرے میں ان کے فعال کردار اور نمایاں مقام کا مظہر ہے۔

حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں لوگوں کے مسائل سے آگاہی کے لئے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر سے آپؓ نے ایک عورت کے اشعار سنے جس میں وہ اپنے شوہر کی جدائی کا ذکر کر رہی تھی، جس کا شوہر جہاد پر جانے کی وجہ سے کافی عرصے سے گھر سے دور تھا، اس معاملہ نے آپ کو پریشان کردیا اور آپ نے واپس آتے ہی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے اس پر مشاورت کی اور ان کے مشورے سے مجاہدین کے گھر سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر فرمائی۔ (سیوطی تاریخ الخلفاء)

حضرت عمر فاروقؓ کے نظام خلافت میں آپ کی مجلس شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی کا حق حاصل تھا، ایک موقع پر جب آپ نے مجلس شوریٰ سے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں ایک رکن پارلیمنٹ موجود عورت نے کہا کہ آپ کو اس کا حق اور اختیار نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے
دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں
مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ
واپس مت لو، کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے
اور کھلا گناہ کر کے وہ مال واپس لو گے۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا: "ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اس پر غالب آگئی۔" (المصنف عبدالرزاق ۶/۱۸۰)

مسلم معاشرے میں خواتین کو صرف مجلس شوریٰ کی رکنیت کا حق ہی حاصل نہیں تھا بلکہ وہ مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر بھی فائز رہیں، مثلاً حضرت عمرؓ نے شفا بنت عبداللہ عدویہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا وہ "Accountability Market Admistration" کی ذمہ داری تھیں۔ (ابن حزم المحلی ۹/۴۲۹)

ریاستی معاملات میں بھی عورت کے کردار پر اسلام نے اعتماد کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں ۲۸ھ میں حضرت ام کلثوم بنت علیؓ کو ملکہ روم کے دربار میں سفارتی مشن پر بھیجا۔
(طبری تاریخ الامم والملوک ۲/۶۰)

آج کے مفکرین آج کے دور میں اہم سیاسی معاملات میں عورت کی شمولیت کا سہرا مغرب کے سر رکھتے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو نہ صرف رائے دہی کا حق عطا فرمایا بلکہ یہ عورت کو اسلام کی عطا کردہ عزت وتکریم ہی تھی جس سے وہ معاشرے کا ایک موثر اور باوقار حصہ بن گئی اور اس نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کیا، سیاسی وانتظامی اور سفارتی کردار کے علاوہ تعلیم وفن میں بھی عورتوں نے نمایاں مقام حاصل کیا، لہٰذا اہل مغرب اور مفکرین اپنے اس نظریے کو درست کرلیں کہ سب سے پہلے اہل مغرب نے خواتین کو حقوق دیئے اور اسلام نے عورت کو صرف چار دیواری میں قید رکھا ہے۔ اہل مغرب چودہ صدیوں بعد جس نظریہ کی تکمیل پر عمل پیرا ہوئے اسلام نے چودہ سو سال قبل عورت کو وہ حقوق ادا کردیے تھے جو عورت کو مغربی دنیا میں انیسویں صدی میں حاصل ہوئے۔ ☆☆☆

بے حیائی کا وبال

مولانا زین العابدین اعظمی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جب ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس شخص سے حیاء (وشرم) کو کھینچ لیتے ہیں اور جب اس کی حیاً کو کھینچ لیتے ہیں تم اس کو صرف ایسا ہی پاؤ گے کہ وہ بغض سے بھرا ہوا اور لوگوں کے نزدیک نہایت مبغوض بنایا ہوا ہوگا' یعنی خود بھی سب سے بغض رکھے گا اور سب لوگ اس سے بغض رکھیں گے جب وہ شخص اس درجہ مبغوض ہوجاتا ہے تو اس کے اندر سے امانت سلب کرلی جاتی ہے اب جہاں بھی موقع ملے گا وہ خیانت ہی کرے گا اور لوگوں کے نزدیک بھی خیانت میں مشہور ہوجائے گا پھر جب اس کا یہ وصف ہوجائے گا تو اس سے رحمت کھینچ لی جائے گی نہ اس کے دل میں نرمی ہوگی نہ مخلوق پر مہربان ہوگا' جب یہ حالت ہوگی تو اس کو جہاں پاؤگے وہ مردود و ملعون یعنی لوگوں سے دھتکارا ہوا ملے گا کہ اس پر لعنت برستی ہوگی اور جب وہ رجیم و مردود اور ملعونیت کا پیکر بن جائے گا تو اس کی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال لیا جائے گا پھر وہ بے باک ہوکر اسلامی حدود کو توڑنے لگے گا۔''

(رواہ ابن ماجہ باب ذہاب الامانۃ ۲۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حیاً وشرم و مروت ہی اسلام سے خارج ہونے کے لئے بڑا حجاب ہے' جب یہ حجاب اٹھ جائے گا تو بڑی بڑی قباحتیں کرتے کرتے آخر ایک دن اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حیاً وشرم ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے' حیاً کی عظمت کا پتہ اس لمبی تفصیلی حدیث سے چلا اور حیاً کی اہمیت معلوم ہوئی کہ بے حیائی نے کیا کیا تباہی مچائی اور بے حیا کو کس طرح مخلوق سے بھی دور کردیا گیا اور اس کی گردن میں لعنت کا طوق ڈال کر اسلام اور ایمان سے بے دخل کردیا گیا اور خالق و مالک اور پروردگار و پالنہار سے اس کا تعلق منقطع کردیا گیا۔

تشریح:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۵۰۲) نے فرمایا:

''حیاً کہتے ہیں نفس کا گندی چیزوں سے سکڑنا اور اس انقباض کی وجہ سے اس ناپسندیدہ چیز کے چھوڑنے کو' مجرد میں حی فعل سے صفت حی ہوگی اور مزید میں استحیا فعل سے صفت مستحی آتی ہے۔''

لیکن ''القاموس'' میں حیی منہ و استحی' اور صفت حیی بروزن غنی مذکور ہے اسی طرح حدیث میں اللہ حیی کریم بھی غنی کے وزن پر آیا ہے' اس لئے حیاً دار کو حیی کہا جاتا ہے' یہ صفت جس طرح انسانوں کے لئے قابل مدح ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے بھی یہ صفت آئی ہے' جہاں نہ نفس کا شائبہ ہے اور نہ سکڑنے اور پھیلنے کا تصور ہوسکتا ہے' پس وہاں اس صفت کے لازم معنی مراد لئے جائیں گے۔

مثلاً سنن ترمذی و ابوداؤد' ابن ماجہ اور مسند احمد میں ایک حدیث ان الفاظ سے وارد ہوئی ہے:

''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیاً دار اور صاحب کرم ہیں جب بندہ ان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اللہ

> **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت حیاً دار اور صاحب کرم ہیں جب بندہ ان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو شرم آجاتی ہے کہ کیسے دونوں ہاتھوں کو خالی واپس کردے**

تو کی کو شرم آ جاتی ہے کہ کیسے دونوں ہاتھوں کو خالی واپس کر دے۔"

تو یہاں حیا سے مراد قبائح کو محض ترک کرنا ہوگا اور بندہ کی مانگ کو ضرور پوری کرنا مراد لیا جائے گا' اسی طرح ایک ضعیف حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"بے شک اللہ تعالیٰ کو بوڑھے مسلمان سے شرم آتی ہے کہ کیسے اس کو عذاب دے۔"

تو یہاں استحیٰ کے لازم معنی مراد ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو جو اسلام کی حالت میں سفید بال والا ہو گیا' اس کو عذاب نہ دیں گے' پس یہاں حیا ترک عذاب کے معنی میں ہوا۔ مفردات کا مضمون توضیح کے ساتھ پورا ہوا۔ علامہ قسطلانیؒ نے اپنی شرح بخاری میں تحریر فرمایا:

"الحیا الف ممدودہ کے ساتھ ہے اور شریعت میں حیا اس اخلاق کو کہا جاتا ہے جو بھونڈی چیزوں سے بچنے پر آمادہ کرے اور صاحب حق کے حقوق میں کوتاہی کرنے سے باز رکھے۔"

اب حیا ایمان کا ایسا شعبہ ہے جو تمام ایمانی شعبوں کی طرف دعوت دیتا ہے کیونکہ یہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کی ناکامی سے ڈرانے پر ابھارتا ہے' اس لئے صاحب حیا حکم کی بجا آوری اور ممنوعات سے پرہیز گاری کو قبول کر لیتا ہے اور جو شخص حیا کے معنی میں غور کرے ساتھ ہی حدیث ذیل کو مدنظر رکھے تو اس کو عجیب سے عجیب تر چیزیں نظر آئیں گی۔ حدیث پاک یہ ہے:

"عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ایسی شرم کرو جو حیا کرنے کا حق ہے' لوگوں نے کہا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں اے خدا کے رسول اور اللہ تعالیٰ کے لئے حمد سزاوار ہے' آپ نے فرمایا: اتنی سی بات نہیں ہے لیکن جیسا شرم کا حق ہے اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرنا یہ ہے کہ سر کی حفاظت کرے اور ان سب کی حفاظت کرے جو سر میں جمع ہیں اور پیٹ کی حفاظت کرے اور ان سب کی جس کو پیٹ نے گھیر رکھا ہے اور موت اور کہنگی کو یاد رکھے کہ ایک دن مرنا ہے اور جسم کا بوسیدہ ہو جانا ہے اور جو آخرت کو چاہے وہ دنیا کی زینت کو چھوڑ دے اور آخرت کو یعنی انجام کار کو پہلی زندگی پر ترجیح دے جو ان تمام

فتنہ ارتداد

حضرت طالوتؒ

ہیں مٹانے والے ہم سب فتنۂ اشرار کو
اے خدا تو فتح دے اسلام کے احرار کو
دشمنانِ ملک و ملت سے ہماری جنگ ہے
تھام لو بہر خدا تبلیغ کی تلوار کو
ہے نبوت کے لئے تہذیب شرط اولیں
ہم نبی کیونکر کہیں پھر شاتم ابرار کو
قادیانی پائے آزادی میں تھے خار مغیل
نوکِ سوزن سے نکالو بھائیو اس خار کو
جب پلومر کی ہو ٹانک وائن ہی سر پر سوار
کیوں نہ ہو الہام اک بدمست کو، مے خوار کو
خطۂ پنجاب میں بھیجا ہے اک افیونی نبی
رب لندن سے شکایت ہے یہی اخیار کو

"وہ خیانت کار بھی جہنمی ہے جس کے سامنے معمولی مفاد ظاہر ہو تو اس کو پورا کرنے کے لئے خیانت کر ڈالے۔" (صحیح مسلم ۲/۳۸۵)

چیزوں پر عمل کرلے اس نے اللہ سے شرم کرنے کا حق ادا کیا۔“

(جامع ترمذی ۲/۶۹ نحوہ)

یہ حدیث مختلف الفاظ سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے‘ علامہ قسطلانی کے ذکر کردہ الفاظ کو ہم نے نقل کیا ہے۔

آگے علامہ قسطلانی نے فرمایا:

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہر آن اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تم پر ہوتی رہتی ہیں‘ ان میں غور کرو اور ان نعمتوں کا جو حق تم پر اللہ کی طرف سے لازم ہے اور تم اس کو پورا کرنے میں کوتاہی کرتے ہو اس کو دھیان سے سوچو تو تم میں خصلت حیأ پیدا ہوگی اور حق واجب کی تقصیر سے روکنے والی یہی صفت حیأ ہے جو ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے‘ جب تم اسی میں درماندہ ہوگئے تو ایمان کے بقیہ بہتر شعبوں کا حق کس طرح ادا کرو گے؟ نعمت الٰہی کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے‘ تو ان کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے تم کو شرمندگی لاحق ہوگی جو مطلوب شرعی ہے اور اس میں فطری شرمندگی کافی نہ ہوگی بلکہ تمہارے قصد و اختیار سے اس کو حاصل کرنا شریعت کا مطلوب ہے۔

۱:......اس حدیث کا پہلا ٹکڑا یہ ہے کہ کسی کو ہلاک کرنے کی پہلی کڑی بے حیائی ہے‘ اس حیأ سے مراد عام ہے کہ مخلوق سے حیأ و شرم یا خالق جل مجدہ سے حیأ و شرم ہو‘ جب دونوں یا ایک سلب ہوجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہلاکت کا فیصلہ ہوچکا ہے قبائح کا ارتکاب بے شرمی کے گانے بجانے‘ جنسی آلودگیاں‘ ان آلودگیوں کو دیکھنا‘ تنہا نہیں بلکہ خویش و اقارب ہی نہیں بلکہ محارم کے سامنے اس کا مشاہدہ کرنا مخلوق سے حیأ کے اٹھ جانے کی دلیل ہے غلط نگاہ‘ غلط سماع‘ الراس و ما وعیٰ میں داخل ہے‘ اسی طرح حرام کمائی‘ حرام خوراک‘ حرام منصوبے اور ناجائز ارادے یہ ”والبطن وما حوی“ میں داخل ہے‘ جب سر‘ پیٹ اور ان سے متعلق اعضاء کی حفاظت نہیں کی گئی تو یہ خالق سے حیأ و شرم اٹھ جانے کی دلیل بنی‘ لہٰذا خدا تعالیٰ کے یہاں سے اس پر ناراضگی کا ایسا عکس پڑا کہ یہ شخص مبغوض بلکہ مکمل مبغوض ہوگیا۔

۲:......بغض کے بعد اس کے قلب سے امانت نکال لی گئی‘ اسی وجہ سے خائن ہوگیا‘ انسانوں کے حقوق جو غصب کرنا امانت وعہد و پیمان کو توڑنا اس شخص کا ایسا وصف بن گیا کہ لوگ اس کو خائن کی ہی صفت سے جاننے پہچاننے لگے اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت بتلائی گئی اور خیانت کرنے والے کو جہنم رسید فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جہاں اہل جہنم کے پانچ گروہوں کو بیان کیا گیا ہے تو اس میں یہ بھی ہے:

”وہ خیانت کار بھی جہنمی ہے‘ جس کے سامنے معمولی مفاد ظاہر ہو تو اس کو پورا کرنے کے لئے خیانت کر ڈالے۔“

(صحیح مسلم ۲/۳۸۵)

۳:......خیانت کے بعد اس کے دل سے محبت‘ مہربانی‘ لحاظ و مروت سب چھین لی جاتی ہے‘ اب اس کے سامنے صرف مفاد پرستی اور خود غرضی رہ جاتی ہے تو اس کو سب لوگ دھتکار دیتے ہیں‘ اس کا نام آتے ہی کان پر ہاتھ دھر لیتے ہیں مخلوق کی طرف سے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے اور خالق کی طرف سے اس پر لگاتار لعنت برسنے لگتی ہے اور اسلام تو دین رحمت ہے ملعونیت کے ساتھ کہاں رہ سکتا ہے‘ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔

شاید صیہونی فریب کاروں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا ہے‘ اس لئے بے حیائی‘ عریانی اور فحاشی کو عام کرنے کی ہر تدبیر اختیار کر رکھی ہے اور قوم مسلم ان کے فریب سے بے خبر اس بے حیائی میں پھنستی چلی جاتی ہے‘ جس کا انجام اپنی گردنوں سے اسلام کا طوق ہی نکل جائے گا۔ ”والمعصوم من عصمه الله“ ☆☆

قادیانیوں کا تعاقب جاری رہے گا

گمبٹ (نمائندہ خصوصی) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت گمبٹ کے زیر اہتمام ایک عید ملن پارٹی جامع مسجد رحمانی فاروق اعظم چوک میں منعقد ہوئی، جس کے مہمان خصوصی مولانا عبدالرحیم صاحب تھے، انہوں نے اپنے خصوصی خطاب میں کہا کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم والے نورانی اعمال کے بغیر دنیا و آخرت میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ قادیانی فتنے سے بائیکاٹ کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، ہر مسلمان کو عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کرنا ہے اور نبی کے دشمن قادیانیوں کا پوری دنیا میں تعاقب کرنا ہے اور انہوں نے مزید کہا کہ قادیانیت ایک ناسور ہے، اس فتنے کے خاتمے تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ناموس رسالت کا کام کرنے والوں پر اللہ رب العزت کی خاص رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، دنیا کی زندگی عارضی ہے آخرت کی ابدی زندگی کے لئے کچھ کرنا چاہئے، ہر مسلمان کو عقیدۂ ختم نبوت کے باغیوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں سے امت مسلمہ کو آگاہ کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ پروگرام کی صدارت امیر عبدالواحد بروہی نے کی۔ جمعیت علماء اسلام، جمعیت طلباء اسلام اور ختم نبوت کے رضا کاروں نے پروگرام میں خصوصی شرکت کی اور تعاون کیا۔

امت محمدیہ کا ایمان اس اساس اور بنیاد پر مبنی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی اور

اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے نسبی باپ نہیں، جیسے کفار بطور طنز کے کہا کرتے تھے، لیکن آپ رسول اللہ ہونے

مجید نے اس شریعت کی ابدی تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں کردیا ہے: ''الیوم اکملت لکم دینکم

افادات: مولانا محمد علی جالندھریؒ

امتِ محمدیہ کی بنیاد

رسول ہیں اور ان پر سلسلۂ وحی اور نبوت ختم ہو چکا ہے اور قرآن مجید اللہ کی آخری وحی اور اس کا آخری کلام ہے، دین اسلام جس کی تعلیم پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے نوع انسان کے مختلف گروہوں کی جزو جزو پہنچتی رہی، اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر کامل و مکمل صورت اختیار کرلی اس کے بعد قیامت تک کے لئے کسی نئے نبی کے آنے اور کسی انسان پر وحی کے نازل ہونے کی ضرورت باقی نہ رہی اور یہ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت ورسالت کا مدعی ہو یا سلسلہ وحی کے اجرا کا عقیدہ رکھتا ہو وہ کاذب اور دجال ہے اور تعزیرات اسلامی کی رو سے سزاوار قتل ہے، اس کے استشہاد و استدلال میں کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حسب ذیل حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

قرآن کریم

''ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔'' (۴۰:۳۳)

ترجمہ: ''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی اس سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے نسبی باپ نہیں، جیسے کفار بطور طنز کے کہا کرتے تھے، لیکن آپ رسول اللہ ہونے کی وجہ سے اپنی امت کے روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ کی شفقت نسبی باپ کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ ہونے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ روحانی باپ ہیں بلکہ وہ اتنی مخلوق کے روحانی باپ ہیں کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا، وہ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی رسول مبعوث ہونے والا نہیں، ان کا سلسلۂ نبوت تو قیامت تک چلنے والا ہے اور صبح قیامت تک جتنے لاتعداد مسلمان پیدا ہونے والے ہیں وہ سب آپ کی اولاد ہیں، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ آپ اپنی امت کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے، کیونکہ وہ انبیاء جن کے بعد دوسرے انبیاء و رسل آنے کی توقع ہو ان سے کوئی چیز اگر رہ جائے تو بعد میں آنے والے انبیاء اس کی تکمیل کرسکتے ہیں۔ لیکن جو تمام انبیاء و رسل کا خاتم و آخر ہو اس کو یہ فکر دامن گیر ہوگی کہ مخلوق کے لئے راستہ ایسا صاف کردیا جائے کہ ان کو کسی وقت گمراہی کا خطرہ نہ ہو، چنانچہ ہمارے آقائے نامدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے دین اسلام کو کامل اور اکمل طریق پر اس طرح پیش کردیا ہے کہ آپؐ کے بعد کسی شریعت سابقہ کی ضرورت ہے، نہ لاحقہ کی، اور نہ کسی نبی جدید کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریعت جدیدہ کی۔ قرآن مجید نے اس شریعت کی ابدی تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں کردیا ہے:

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔''

ترجمہ: ''آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا۔''

صرف دو آیات کریمہ پر اکتفا کیا جارہا ہے، قرآن کریم میں ایک سے زائد آیات میں ختم نبوت کا ثبوت موجود ہے۔

ارشاداتِ نبوی

تاجدار ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

۱:...''کنت اول النبیین فی الخلق وآخرھم فی البعث۔''

(کنز العمال، ج:۶، ص:۱۱۳، ابن کثیر، ج:۸، ص:۸۹)

ترجمہ: ''میں پیدائش میں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔''

۲:...''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا ابا ذر اول الانبیاء آدم وآخرھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔''

(کنز العمال، ج:۶، ص:۱۳۰)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

۳:.....''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو کان بعدی نبی لکان عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ'' (ترمذی، ص:۲۰۹)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔''

۴:.....''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لعلی رضی اللہ عنہ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔'' (بخاری، ج:۲، ص:۶۳۳، مسلم، ج:۲، ص:۲۷۸)

ترجمہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔''

۵:.....انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی''.....رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی.... (ترمذی، مسند امام احمد، بحوالہ تفسیر ابن کثیر ص:۹۰، ج:۸)

۶:.....حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنہ واجملہ الاموضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویتعجبون لہ ویقولون ہلا وضعت ہذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔'' (بخاری، ج:۱، ص:۵۰۱)... میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اسے خوب سجایا مگر اس کے کناروں میں سے ایک کنارے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، پس لوگ اسے دیکھنے آتے اور خوش ہوتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی، آپ نے فرمایا: میں نے اس خالی جگہ کو پُر کردیا اور میں خاتم النبیین ہوں.....

۷:.....حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلہم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' (جامع ترمذی، ج:۲، ص:۱۱۲)... یقیناً میری امت میں تیس کذاب ظاہر ہوں گے، ہر ایک کا گمان ہوگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں...

بغرض اختصار صرف سات احادیث مقدسہ درج کی گئی ہیں، ورنہ دو سو کے قریب احادیث ہیں، جن میں ختم نبوت کی تفسیر اور تشریح موجود ہے۔

اجماع امت

قرآن مجید کی آیات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کرامؓ کی تصریحات اور ائمہ دین کی عبارات کی بنا پر امت کا اس پر اجماع ہوچکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ہر لحاظ سے ختم ہوچکا ہے اور وحی کا آنا مسدود ہوچکا ہے، آپ کے بعد جو دعویٰ نبوت کرے وہ کاذب اور مفتری علی اللہ ہے، چودہ سو سال میں جب بھی کسی شخص نے دعویٰ نبوت کیا، جمہور علماء نے اس کے ارتداد کا فتویٰ دیا اور مسلمان ارباب اقتدار نے ہمیشہ ایسے جھوٹے مدعیان نبوت کے قتل کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے قتل پر ہوا، اسلامی تاریخ میں یہ بات درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا تھا اور بڑی جماعت اس کی پیرو ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا جہاد جو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد خلافت میں کیا تھا، تمام صحابہ وتابعین نے مسیلمہ کذاب کو محض دعویٰ نبوت کی بنا پر اور اس کی جماعت کو اس کی تصدیق کی وجہ سے کافر سمجھا اور باجماع صحابہؓ وتابعینؒ نے ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے، مستند کتب تواریخ اسلام سے ثابت ہے کہ مسیلمہ کذاب نماز پڑھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل تھا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ اپنی نبوت کا

بھی مدعی تھا، تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ نبی صلی اللہ لیہ وسلم کی تصدیق اذان میں کرتا تھا، اذان میں "اشہد ان محمد رسول اللہ" کہا کرتا تھا، لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ مدعی نبوت تھا، اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ، مہاجرینؓ و انصارؓ اور تابعینؒ کا ایک عظیم الشان لشکر حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کے خلاف جہاد کے لئے یمامہ کی طرف بھیجا، تاریخ طبری میں حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک فرمان حضرت خالدؓ بن ولید کے نام سے درج ہے، اس سے معلوم ہے کہ جو صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اس جہاد میں شہید ہوئے ان کی تعداد ۱۲۰۰ ہے، نیز اسی تاریخ میں ہے کہ مسیلمہ کی جماعت جو اس وقت مسلمانوں کے مقابلے میں تھی اس کی تعداد ۴۰۰۰۰ مسلح جوان تھی، جن میں سے ۸۰۰۰ مارے گئے، خود مسیلمہ کذاب بھی اس معرکہ میں ہلاک ہوا، باقی نے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کر لی۔

صحابہ کرامؓ نے نہ وقت کی نزاکت کا خیال کیا اور نہ مسلمانوں کے ضعف و بے سروسامانی کا اور نہ مسیلمہ اور اس کی جماعت کی نماز و اذان کا اور اقرار نبوت محمدیہ کا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی شخص کا دعویٰ نبوت کرنا خواہ کسی تاویل اور کسی پیرائے سے ہو موجب کفر وارتداد سمجھا، نیز واضح ہوا کہ کسی شخص کی اتباع اور پیروؤں کی کثرت اس کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی ورنہ مسیلمہ کذاب کے متبعین کی کثرت اور شوکت وقوت بدرجۂ اولیٰ اس کی حقانیت کی دلیل ہوتی۔

ختم نبوت اور وحدتِ اسلامی

یہودی امت کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر تھی، عیسائی قوم کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بنی تھی اور امت محمدیہ کی بنیاد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے قیامت تک اس امت کی وحدت کا راز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہے قیامت تک اس امت کی وحدت کا راز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں پنہاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا دراصل وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کا مدعی اور متمنی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم یہاں مفکر اسلام علامہ اقبالؒ جو جدید اور قدیم علوم کے بڑے فاضل مانے جاتے ہیں کا ایک حوالہ من وعن درج کر رہے ہیں، جس سے عقیدۂ ختم نبوت کی سیاسی اور معاشرتی اہمیت واضح ہو جاتی ہے:

"ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں، اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت گہرا ہے، کیونکہ ان مذاہب کی بنا کسی حد تک مذہبی اور ایک حد تک نسلی ہے۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے، چونکہ اس کی بنیاد صرف دینی ہے، اس لئے وہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے، اس لئے مسلمان تحریکوں کے معاملے میں زیادہ حساس ہیں جو اس وحدت کے لئے خطرناک ہیں، چنانچہ ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنائی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے مسلمان اس سے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا، اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت سے ہی استوار ہوتی ہے، انسانیت کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختم نبوت کا تخیل سب سے انوکھا ہے، اس کا صحیح انداز مغربی اور وسط ایشیا کے موبدانہ تمدن کے تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔

موبدانہ تمدن میں زرتشتی یہودی نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں، ان تمام مذاہب میں نبوت کے اجراء کا تخیل لازم تھا، چنانچہ ان پر مستقل انتظار کی کیفیت رہتی تھی، غالباً یہ حالت انتظار نفسیاتی حظ کا باعث تھی، عہد جدید کا انسان روحانی طور پر موبد سے بہت زیادہ آزادمنش ہے، موبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پرانی جماعتیں ختم ہوتیں اور ان کی جگہ مذہبی عیار نئی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دنیا میں جاہل اور جوشیلے ملاّ نے پریس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قبل اسلامی فطریات کو بیسویں صدی میں رائج کرنا چاہا ہے، یہ ظاہر ہے کہ اسلام جو تمام جماعتوں کو ایک رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے، ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا، جو اس کی موجودہ وحدت کے لئے خطرہ ہو، اور مستقبل میں اسلامی سوسائٹی کے لئے مزید افتراق کا باعث ہے۔" (حرف اقبال، مجموعہ بیانات وخطابات علامہ اقبال ص:۱۲۱ تا ۱۲۳) ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔

معاشرے کی تین بیماریاں

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

معاشرے کے سدھار کے لئے آج جگہ جگہ پروگرام ترتیب دیئے جارہے ہیں، کارنر میٹنگوں کا سلسلہ بھی جاری ہے، یہ ایک قابل ستائش اقدام ہے، اصلاح معاشرہ کی سب سے بڑی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے، ان کے پاس اس کا پورا لائحہ عمل موجود ہے، ان کی اس سلسلہ کی تمام کوششیں ضروری ہیں اور قابل تعریف ہیں، لیکن ان کوششوں کے جو مثبت نتائج سامنے آنے چاہئیں بڑی حد تک وہ نتائج سامنے نہیں آئے، شاید اس کا سبب یہ ہے کہ اندر سے جو روگ سماج کو لگ گئے ہیں، ان کے علاج کی فکر کم سے کم کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر یہ کوششیں نقش برآب ثابت ہوتی ہیں۔

معاشرہ افراد سے وجود میں آتا ہے، اس کی اصلاح افراد کے صلاح سے وابستہ ہے، لوگوں میں اگر کوئی متعدی مرض پیدا ہوجائے تو وہ پورے معاشرے کو متعفن کردیتا ہے، بعض مرتبہ ایک فرد کی بیماری پورے معاشرہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے، اس لئے اصلاح معاشرہ کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ معاشرہ کا ایک ایک فرد اپنا جائزہ لے اور کم سے کم وہ بیماریاں جن کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، ان میں تین بنیادی امراض ہیں، جن سے پورا معاشرہ کرپٹ ہورہا ہے، سورۂ حجرات کی بارھویں آیت میں بطور خاص ان تینوں کو بیان کیا گیا ہے۔

گیارھویں آیت میں ان تین بیماریوں کا ذکر ہے جن کی تشخیص آسان ہے، ان کو آسانی سے گرفت میں لایا جاسکتا ہے اور اس آیت میں جن تین بیماریوں کا ذکر ہے وہ اندر کی بیماریاں ہیں، بعض مرتبہ ان کا احساس بھی مشکل ہوتا ہے اور ان کے علاج میں بھی دشواری پیش آتی ہے، اس لئے ان کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے تاکہ یہ روگ جو معاشرہ کو لگ چکا ہے وہ زیادہ بڑھنے نہ پائے اور کسی ایسے خطرناک مرض کی شکل نہ اختیار کرلے جو لاعلاج ہوجائے، ان میں سب سے پہلا مرض بدگمانی ہے، ارشاد ربانی ہے:

"اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔"

یہ بات انسان کی نفسیات میں داخل ہے کہ وہ عام طور پر جلدی بدگمان ہوجاتا ہے، بُرے خیالات اس کو گھیر لیتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا، اس کے لئے قدرے مشکل ہوتا ہے، آیت شریفہ میں اسی لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اکثر گمان سے بچو پھر اس کی وجہ بیان فرمادی کہ بعض گمان گناہ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، کسی کے بارے میں اچھا گمان کرنا آدمی کے لئے عام طور پر نقصان دہ نہیں ہوتا لیکن بدگمانی کے اثرات بعض مرتبہ بہت ہی سخت ہوتے ہیں، اس لئے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں معلومات پوری طرح نہ ہوں تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔ حدیث میں اسی کا حکم ہے کہ بُرے شخص کے بارے میں اگر اچھا گمان ہے تو قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تو نے بُرے کو اچھا کیوں سمجھا، لیکن اگر کسی اچھے شخص کے بارے میں بُرا گمان ہے تو قیامت میں اس کی گرفت ہوگی، تاہم اچھا گمان رکھنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس سے معاملات شروع کردے۔

اگر اچھے گمان کے نتیجہ میں اس سے معاملہ کیا اور وہ فی نفسہ اچھا انسان نہ ہوا تو معاملہ کرنے والا دھوکا کھا سکتا ہے، دھوکا دینا تو بدترین گناہ ہے ہی دھوکا کھانا بھی فراست ایمانی کے منافی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "لا یلدغ المومن من جحر مرتین" ... مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا... اگر ایک مرتبہ دھوکا ہو بھی جائے تو دوسری مرتبہ وہ دھوکا نہیں کھاتا، اسی طرح اگر کسی سے دینی مسائل میں استفادہ کرنا ہے تو بھی بہتر یہی ہے کہ اس کے بارے میں اچھی طرح سے معلومات حاصل کرلی جائیں اور اچھے طرح پرکھ لیا جائے، قرون اولیٰ میں یہ مقولہ لوگوں کی زبان پر تھا: "ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"... یہ علم دین ہے تو اچھی طرح دیکھ لو کہ تم دین کس سے حاصل کررہے ہو... کسی سے اگر معاملہ کرنا ہو وہ معاملہ دنیوی ہو یا دینی اس سے فوراً خوش اعتقاد ہوجانا اور بغیر تحقیق کے اچھا گمان کرکے معاملہ کرلینا بھی دینی مزاج کے خلاف ہے اور بعض مرتبہ اس کے بڑے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، اس لئے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے لیکن اگر کسی قسم کا لین دین کرنا ہو یا دین حاصل کرنا ہو تو جب تک اچھی طرح تحقیق نہ کرلی جائے اس وقت

تک معاملہ نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی دوسرے کے سامنے اس کی گواہی دی جائے تاکہ کوئی دوسرا بھی دھوکا میں نہ پڑے، کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی کی تعریف کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم یہ بات یقینی طور پر کیسے کہہ رہے ہو؟ کیا تمہیں اس سے کسی لین دین کا سابقہ پڑا ہے یا تم نے اس کے ساتھ طویل عرصہ گزارا ہے، بغیر اس کے تم کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ ایسی بات کیسے کہہ سکتے ہو؟

یہ باتیں سمجھ لینے کی ہیں کہ دو باتیں الگ الگ ہیں، اچھا گمان کرنا الگ بات ہے لیکن اس کی بنا پر معاملہ کرلینا الگ بات ہے، جب تک بُرائی کا علم یقینی طور پر نہ ہو جائے اس وقت تک اچھا گمان رکھنے کا حکم ہے، لیکن بغیر تحقیق کے معاملہ کرلینے میں نقصان کے خطرات ہیں۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسن الظن من حسن العبادۃ“... اچھا گمان کرنا اچھی عبادت میں سے ہے...

اگر ناحق بدگمانی کی ہے تو یہ اس کے حق میں وبال ہے اور اس کے بارے میں سخت سے سخت روایات وارد ہیں، اس کے نقصانات دنیا میں بھی بہت ہیں، بعض مرتبہ بدگمانی کی بنا پر انسان بہت کچھ خیر سے محروم رہتا ہے، عالم کو جاہل سمجھ رہا ہے تو اس کے علم سے محروم ہوگا، کوئی ایسا شخص جو اس کی صحیح راہنمائی کرسکتا ہے اس کو صحیح راستہ بتا سکتا ہے اس کو وہ گمراہ سمجھ رہا ہے اور بغیر تحقیق کے اس سے بدگمانی کا شکار ہے تو وہ اس کی راہنمائی سے محروم رہے گا، کوئی بھی اس کو نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا خیر خواہ ہے لیکن وہ اس کے بارے میں بدگمان ہے تو اس کے ہر طرح کے فائدے سے دور رہے گا۔

بدگمانی کی مذکورہ بالا شکلیں تو وہ ہیں کہ جن کا نقصان انفرادی طور پر خود بدگمانی کرنے والے کو ہو رہا ہے، لیکن عام طور پر بدگمانی کرنے والا اقدام اور انتقام پر آمادہ ہوجاتا ہے، اس کے نتائج پورے معاشرہ کو بھگتنے پڑتے ہیں، بدگمانی کی جو بھی نوعیت ہو اس کے اعتبار سے بدگمانی کرنے والا آگے بڑھتا ہے اور بات قتل و غارتگری تک پہنچ جاتی ہے اس میں عام طور پر غلط فہمیوں کو دخل ہوتا ہے، آدمی کسی کے بارے میں کوئی بات سن کر یا کچھ دیکھ کر ایک رائے قائم کرلیتا ہی، اس کے بعد بات بڑھتے بڑھتے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اس مرض کے نقصانات محدود نہیں رہتے عام طور پر متعدی ہوتے ہیں، اس لئے اس کی سخت نکیر کی گئی ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں میں خیر کا پہلو تلاش کیا جائے۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر تمہارا مومن بھائی کوئی بات کہتا ہے اور اس کو خیر پر محمول کیا جاسکتا ہے تو تم بُرا خیال مت لاؤ اور اس کو خیر ہی پر محمول کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دسیوں احادیث منقول ہیں، جن میں بدگمانی سے روکا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث“... بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے...

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو خطاب کرکے فرمایا: ”تو کیا خوب ہے اور تیری خوشبو بھی کیسی پاکیزہ تر ہے تو کیسا عظیم ہے اور تیری حرمت کیسی عظیم تر ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، ایک مومن کی حرمت تجھ سے بڑھ کر ہے، اس کا خون اور اس کا مال اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا ہی گمان کیا جائے۔“

اگر کسی کے بارے میں بُرے خیالات پیدا ہوں اور بدگمانی کی صورت پیدا ہوجائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج بھی ایک حدیث میں تجویز فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں: ”تین چیزیں میری امت کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتیں، فال، حسد اور بدگمانی۔“ سوال کیا گیا کہ ان کے بُرے نتائج سے کیسے حفاظت ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر حسد پیدا ہوجائے تو اللہ سے استغفار کرو، اگر بدگمانی پیدا ہو تو عمل اس کے مطابق نہ کرو (اور اس کو ذہن سے نکال دو) اگر فال ہو تو بھی فال بد کی وجہ سے عمل ترک مت کرو۔

کسی کے بارے میں محض خیالات کا آجانا قابل مواخذہ نہیں ہے، ایک حدیث میں آیا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے میری امت کے وسوسوں کو معاف کردیا (جب تک وہ وسوسوں کی حد تک رہیں اور ان کو دور کیا جاتا رہے) اگر اس پر عمل شروع ہوگیا اور گفتگو کی جانے لگی (اور ذہن میں وہ چیز بیٹھنے لگی) تو اس پر مواخذہ ہوگا۔“

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ اگر بُرے گمان پیدا ہونے لگیں تو ان کو باقی نہ رکھا جائے۔

بُرائی کیسے روکی جائے

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے سنا کہ: تم اگر کسی کو بُرائی کرتے دیکھو تو اپنے ہاتھ سے روکو، اور اگر نہ روک سکو تو زبان سے منع کرو اور اگر زبان سے بھی منع نہ کرسکو تو اپنے دل میں بُرا سمجھو اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم شریف)

یہ مرض عام طور پر ہم مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ رہتی ہے اور ذرا سی بات بھی بہت بڑی نظر آتی ہے، یہ مثل پوری طرح ہم پر صادق آتی ہے کہ اپنی آنکھوں کے شہتیر نظر نہیں آتے، لیکن دوسروں کی نگاہوں کے تنکے نظر آجاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ کسی کا ذکر آیا تو بعض لوگوں نے جو واقفیت رکھنے والے تھے، ان کے بارے میں کہا کہ وہ بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں، آپ نے فرمایا: اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، بڑے گناہوں کے پائے جانے کے باوجود آپؐ نے ان کی ایک نیکی کا ذکر فرمایا اور یہ سبق دے دیا کہ مجلسوں میں اس طرح اگر کسی کا ذکر آئے تو ذکر خیر ہی بہتر ہے، بعض مرتبہ ایک نیکی اللہ کی بارگاہ میں ایسی قبول ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے، بدگمانی کرنے والے کے اندر عام طور پر اپنی بڑائی کا احساس بھی پیدا ہونے لگتا ہے اور یہ چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، مسئلہ صرف بدگمانی ہی کا نہیں بلکہ اگر کسی کے اندر خرابی موجود ہے اور اس کی نکیر کرنی ہے تو بھی ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جس میں اپنی بڑائی کا اظہار نہ ہوتا ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات بہت غنی ہے معاملہ بالکل الٹ سکتا ہے۔

ایک حدیث میں دو دوستوں کا واقعہ بیان ہوا ہے، ان میں سے ایک متقی پرہیزگار تھا دوسرا برائیوں میں مبتلا ہو جایا کرتا تھا، اس کا نیک دوست اس کو سمجھاتا رہتا تھا مگر اس سے بُرائیاں چھوٹتی نہ تھیں، ایک دن غصہ میں آکر اس کا نیک دوست کہنے لگا تو جنت میں کبھی نہیں جا سکتا، تیرا ٹھکانہ تو جہنم میں ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ تو کون ہوتا ہے اس کو جنت سے روکنے والا، میں تجھے جہنم میں بھیج دوں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا۔

یہ تو ایک واقعہ تھا مسئلہ صرف بدگمانی کا تھا، اس پر اتنی سخت پکڑ ہوگئی، اگر صرف بدگمانی کی بنا پر کسی کو ذلیل اور کمتر سمجھا گیا اور اپنے قول وفعل سے اس کا اظہار بھی کیا جائے گا تو کیسے سخت گناہ کی بات ہے، اور پھر جب اس کے بدترین نتائج معاشرہ کے سامنے آئیں گے تو معاشرہ کیسا کرپٹ ہوتا چلا جائے گا، یہ ہر تجربہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے۔

تین بیماریوں میں سے یہ وہ پہلی بدترین بیماری ہے جو ایک روگ کی طرح امت کو لگ گئی ہے، امت کی وحدت کو گھن کی طرح چاٹتی چلی جارہی ہے۔ آیت شریف میں اس کے بعد جن دو بیماریوں کا ذکر ہے وہ بھی اکثر وبیشتر اسی پہلی بیماری کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

☆☆..........☆☆

فاروق اعظمؓ کون تھے؟

☆......جن کو محبوب خدا نے غلبہ دین اور سطوت اسلام کے لئے دربار ربوبیت سے طلب کیا۔

(ترجمہ مقبول ص:۵۹۶ تفسیر صافی ص:۲،۲۷۲)

☆......جن کو پروردگار عالم نے دینی ترقی کے لئے چُن کر بھیجا۔

☆......جن کے ایمان لانے سے پہلے جبریل امینؑ نے ان کی تشریف آوری کا مژدہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔

☆......جن کی تشریف آوری پر حضور علیہ السلام نے مرحبا کی آواز بلند فرمائی۔ (غزوات حیدری ص:۴۲)

☆......جن کے ایمان سے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ایمان کو تقویت پہنچی۔

☆......جن کی آمد سے مسلمانوں کو خدا کے گھر میں خدا کی عبادت کرنا نصیب ہوئی۔

☆......جن کے ایمان کی خوشی میں زمین نے اظہار مسرت کیا۔

☆......جن کے ایمان کی خوشی میں فلک نیلی فام نے رقص کیا۔

☆......جن کو کعبہ میں جاتے وقت سب صحابہ کرامؓ سے آگے جانے کا شرف حاصل ہوا۔

☆......جن کی تشریف آوری کی خوشی میں دیوار حرم نے بوجہ افتخار اپنا سرتاپوش کردگار پہنچایا۔

☆......جن کے قدوم میمنت لزوم نے زمزم کے آب شیریں کو سلسبیل کا ذائقہ حلاوت بخشا۔

☆......جن کے کعبہ میں داخل ہونے اور تکبیر کہنے سے صنم منہ کے بل گر پڑے۔

☆......جن کو فاروقؓ کا لقب دربار رسالتؐ سے عطا ہوا۔

☆......منها خلقنكم کے پیش نظر جن کی مٹی کا خمیر بہشت بریں کی مٹی سے بنایا گیا۔

☆......جنہوں نے کفر کو چیلنج کر کے بیت اللہ کے اندر مشرکین کے روبرو نماز کو ادا کیا۔

☆......خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے حق میں: ''لو كان من بعدى نبى لكان عمر'' فرمایا۔

☆......جن کی حکومت عدالت وسیاست کو دیکھ کر سیدنا حضرت علیؓ نے آپ کو مسلمانوں کا ملجا وماویٰ قرار دیا۔ (نہج البلاغہ، ج:۲، ص:۳۹)

مرسلہ: مولانا سہیل ممتاز

وقت کی اہمیت

مسلمانوں کی زندگی میں!

مولانا اسداللہ

وقت اللہ جل شانہ کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو امیر وغریب، عالم وجاہل اور چھوٹے بڑے سب کو یکساں ملی ہے، وقت کی مثال کڑکڑاتی دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی اس سل سے دی گئی ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا گیا تو بہت اچھا ورنہ وہ تو پگھل ہی جاتی ہے، اس وقت مسلم معاشرہ مجموعی طور پر ضیاع وقت کی آفت کا شکار ہے، مغربی معاشرہ اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود وقت کا قدرداں ہے اور زندگی کو ایک نظام کے تحت گزارنے کا پابند ہے، علم وفن اور سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقیوں کا ایک بڑا سبب یہی ہے جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کرسکتی ہیں، وہ فضاؤں پر قبضہ کرسکتی ہیں، وہ عناصر کو مسخر کرسکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے سینے چاک کرسکتی ہیں، ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، وہ زمانہ کی زمام قیادت سنبھال سکتی ہیں جب تک یہ اوصاف مسلمانوں میں باقی رہے، دنیا کی کوئی قوم ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکی، لیکن جب سے ہم نے نمود ونمائش، بے جا اسراف، تن آسانی، کام چوری اور عیش وعشرت کا وطیرہ اختیار کیا، دنیوی عزت اور ترقی نے بھی ہم سے منہ موڑ لیا۔

اس لئے جو قومیں وقت کو ضائع کردیتی ہیں، وقت انہیں ضائع کردیتا ہے، ایسی قومیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتی ہیں، وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے:

''الوقت کالسیف ان لم تقطعه قطعک۔''

ترجمہ: ''وقت تلوار کی طرح ہے اگر تم نے اسے نہ کاٹا تو وہ تمہیں کاٹ ڈالے گی۔''

اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ کام کے ذریعے اگر وقت کو ختم نہیں کروگے تو وہ تمہیں مختلف آرزوؤں اور امیدوں میں مبتلا کرکے ختم کردے گا۔

''وقت'' کا حاصل یہ ہے کہ یہی انسان کی زندگی، اس کی عمر اور اس کا وجود ہے، انسان کی بقا اور اس کے نفع وانتفاع کا مدار یہی وقت ہے، قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی قدر وقیمت دوسری تمام چیزوں کے مقابلہ میں ارفع اور بلند ہے، چنانچہ اس بارے میں بہت ساری آیات ہیں جن میں وقت کی قدر وقیمت اور اس کی بلندیٔ مرتبہ کا ذکر ہے، یہاں چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔ وقت کی قدر وقیمت پر دلالت کرنے والی آیات:

''قسم ہے رات کی جب کہ وہ چھپالے اور دن کی جب کہ وہ روشن ہوجائے۔'' (اللیل:۱،۲)

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔'' (الفجر:۱،۲)

''قسم ہے زمانے کی کہ انسان خسارہ میں ہے۔'' (العصر:۱،۲)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس سورت کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے عصر یعنی زمانہ کی قسم کھائی ہے، کیونکہ اس میں عجیب وغریب امور انجام پاتے ہیں، اسی میں خوشی اور غمی، تندرستی اور بیماری ہوتی ہے اور اسی میں مالداری بھی ملتی ہے اور فقر بھی، علاوہ ازیں اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی کیونکہ یہ عمر عمدگی اور قیمتی ہونے میں انمول ہے۔'' (سرمایۂ گراں مایہ، بحوالہ تفسیر کبیر)

وقت کی قدر وقیمت احادیث مطہرہ کی روشنی میں:

وقت کی قدر وقیمت، عمر عزیز کی اہمیت، اس کے احساس اور تعمیری زندگی اختیار کرنے کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی مختلف اسلوب وانداز سے توجہ دلائی گئی ہے، حدیث کے مشہور امام، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ چند احادیث ایسی ہیں کہ اگر انسان صرف ان چند احادیث پر عمل کرلے تو آخرت میں اس کی نجات کے لئے کافی ہے، ان میں ایک حدیث ہے:

''من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔''

ترجمہ: ''آدمی کے اسلام کے حسن میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان لایعنی مشاغل ترک کردے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے دن آدمی اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکے گا کہ جب تک چار چیزوں کے بارے میں اس سے سوال نہ کرلیا جائے: عمر کے بارے میں! کہ کہاں صرف کی، جوانی کے بارے میں! کہ کہاں گزاری، اور مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس مصرف میں خرچ کیا؟" (المعجم الکبیر للطبرانی)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

"دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے کا شکار ہیں، ایک صحت اور دوسری فراغت۔"

صحت کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب بیماری کی تکلیف سر پر آجاتی ہے اور دوسری نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیے جو فراغت کی چند گھڑیوں کے لئے ترستے ہیں۔

محدث کبیر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عظیم کتاب: "قیمة الزمن عند العلماء" میں اس حدیث کے ذیل میں فرمایا:

"بعض علماء فرماتے ہیں کہ "نعمت" وہ ہے جس سے انسان خوشی اور لذت محسوس کرے اور "غبن" یہ ہے کہ کوئی کئی گنا قیمت کسی چیز کی ادا کرے یا مناسب قیمت سے کم میں کوئی چیز بیچ دے، جس شخص کا جسم تندرست ہو وہ کاموں سے فارغ ہوکر بھی آخرت بنانے کی فکر نہ کرے، تو وہ شخص خرید وفروخت میں نقصان اٹھانے والے کی طرح ہے، مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ صحت اور فراغت سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ غیر محل میں انہیں صرف کردیتے ہیں، پھر دونوں ہی چیزیں ان کے حق میں وبال بن جاتی ہیں، حالانکہ دونوں کو صحیح مصرف پر صرف کیا جاتا تو کتنا فائدہ ہوتا؟

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان تندرست تو ہوتا ہے لیکن معاش میں مشغول ہونے کی وجہ سے فارغ نہیں ہوتا اور کبھی معاش کی فکر سے مستغنی ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا، جب دونوں چیزیں جمع ہوجاتی ہیں تو طاعات میں سستی کرنے لگتا ہے، ایسا شخص "مغبون" کہلاتا ہے۔"

تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، تجارت تو یہاں ہوتی ہے جس کا نفع آخرت میں ظاہر ہوگا، لہٰذا جو شخص اپنی صحت اور فراغت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرے وہ تو "مغبوط" (قابل رشک) کہلائے گا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے "مغبون" (گھاٹے والا) سمجھا جائے گا، کیونکہ فراغت کے پیچھے مشغولی اور صحت کے پیچھے بیماری آتی ہے اور اگر کوئی بیماری نہ بھی آئے تو ایک بڑھاپا ہی کافی ہے۔

محقق طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلف کو ایک تاجر کی مثال دی ہے جس کے پاس کچھ سرمایہ ہے اور اپنے اس سرمایہ کو بچا کر اس پر نفع بھی کمانا چاہتا ہے، اس کی صورت یہی ہے کہ خوب اچھی طرح دیکھ کر کسی کے ساتھ معاملہ کرے، سچائی اور مہارت کے ساتھ کام کرے کہ کہیں گھاٹا نہ ہوجائے، بس سمجھ لیجئے صحت اور فراغت ایسے ہی سرمائے ہیں۔" (سرمایۂ گراں مایہ)

وقت کی قدر و قیمت اللہ والوں کی نظر میں:

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"مجھے ایسا شخص بالکل ناپسند ہے کہ جو فارغ ہو اور دنیا و آخرت کے کسی بھی کام میں وہ مشغول نہ ہو۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۳/۸)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اونچے درجے کے تابعی ہیں، بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الزہد والرقائق" میں ان کا ایک قول نقل فرمایا ہے:

"میں نے ایسے لوگوں کو پایا ("لوگوں" سے مراد صحابہ کرام ہیں، اس لئے کہ یہ خود تابعین میں سے ہیں اور ان کے اساتذہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) اور ایسے لوگوں کی صحبت اٹھائی

دخل در مشاجراتِ صحابہؓ

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت حضرت ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ: مجھے معاویہؓ سے بغض ہے، پوچھا: کیوں؟ کہنے لگا: کیونکہ انہوں نے ناحق حضرت علیؓ سے لڑائی کی ہے۔ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے: اللہ کے بندے! معاویہؓ کے جو رب ہیں وہ بڑے رحیم ہیں اور معاویہؓ کے مقابل ہیں وہ بڑے شریف ہیں، تمہیں ان دونوں کے درمیان دخل دینے کا کیا حق ہے؟ (فتح الباری)

طلبِ علم میں اخلاصِ نیت

اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ابونصر سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں اٹھا دروازہ کھولا، دیکھا کہ ایک خاتون ہیں، ان کے ہاتھ میں ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی ہے، خاتون نے تھیلی شیخ کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اس کو اپنی ضروریات میں استعمال کیجئے۔ شیخ نے وجہ پوچھی تو کہنے لگیں کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیں تا کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں، ویسے مجھے حقیقتاً نکاح کی خواہش یا ضرورت نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنی تھیلی اٹھا کر چلی جاؤ، چنانچہ وہ خاتون چلی گئیں۔ شیخ نے پھر فرمایا کہ میں بجستان سے طلبِ علم کی نیت لے کر نکلا تھا، اگر میں نے شادی کر لی تو میرا ''طالبِ علم'' کا نام ختم ہو جائے گا، جبکہ طلبِ علم کے ثواب پر میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ (سیر النبلاء، ۱۷/۶۵۶)

ہے جن کا اپنی عمر کے لمحات اور اوقات پر بخل سونے چاندی کے دراہم اور دینار سے کہیں زیادہ تھا۔'' (۱/۱۱)

یعنی جس طرح عام آدمی کی طبیعت سونا چاندی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے اور اگر کسی کے پاس سونا چاندی آ جائے تو اس کو وہ بڑی حفاظت سے رکھتا ہے اس کو غیر محفوظ اور ناقابل اعتبار جگہ رکھنے سے پرہیز کرتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے یا ضائع نہ ہو جائے، اسی طرح یہ وہ لوگ تھے جو سونے چاندی سے کہیں زیادہ اپنی عمر کے لمحات کی حفاظت کرتے تھے، اس لئے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ سونے چاندی کی اشرفیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ عمر کا کوئی لمحہ کسی بیکار کام میں یا ناجائز کام میں یا غلط کام میں صرف ہو جائے، وہ لوگ وقت کی قدر وقیمت پہچانتے تھے کہ عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں، یہ بڑی عظیم نعمت ہے اور یہ نعمت کب تک حاصل رہے گی؟ اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں، اس لئے اس کو خرچ کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم! کھانا کھاتے وقت علمی مشغلہ ترک کرنے کی وجہ سے مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کیونکہ وقت اور زمانہ بڑا ہی عزیز سرمایہ ہے۔'' (عیون الانباء، ۲/۳۴)

ابو الوفاء بن عقیل رحمہ اللہ جنہوں نے کئی مختلف فنون میں کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب انہوں نے آٹھ سو جلدوں میں لکھی، کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔ (طبقات الحنابلہ، ۱/۱۵۶)

وہ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''علماء وعقلاء سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کی سب سے اہم پونجی جس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہئے وقت ہے، لمحات زندگی فراہم کرنے والا وقت درحقیقت بڑی غنیمت ہے، اس لئے اس کو بچا بچا کر استعمال کرنا چاہئے کہ انسان کے ذمہ کام بہت ہیں جب کہ وقت اچک کر بہت جلد غائب ہونے والی شے ہے۔'' (طبقات الحنابلہ، ۱/۱۳۶-۱۳۹)

امام ابو حاتم رازی کے صاحبزادے عبدالرحمٰن، جرح وتعدیل کے امام ہیں، فرماتے تھے:

''کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والد کھانا کھا رہے ہیں اور میں ان کے سامنے پڑھ رہا ہوں، وہ راستہ چل رہے ہیں میں ان کو کتاب پڑھ کر سنا رہا ہوں، وہ حاجت کے لئے خلاء میں داخل ہو رہے ہیں، لیکن میری قرأت جاری ہے، وہ گھر میں کوئی چیز لینے کے لئے داخل ہو رہے ہیں اور میں ان سے پڑھ رہا ہوں۔'' (سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۲۵۱)

مولانا ابن الحسن عباس صاحب وقت کی قدر وقیمت پر لکھی گئی اپنی کتاب ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' میں وقت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ذمہ کام بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت مختصر، انسان کا مستقبل موہوم ہے، اس کا حال ثبات سے خالی ہے اور اس کا ماضی اس کی قدرت سے باہر ہے، جس نے حال سے فائدہ اٹھایا، طلب اور محنت جاری رکھی اور اپنی دنیا آپ زندوں میں پیدا کی، اس کے دامنِ نصیب میں تو کچھ آ جاتا ہے ورنہ اس کی تنگی داماں کا کوئی علاج نہیں ہے، نہ یہ کسی کی خاطر رکتی ہے اور نہ گزر جانے کے بعد واپس لائی جا سکتی ہے۔'' (ص ۲۵)

اقبال نے کتنی خوبصورتی سے زمانہ کی حقیقت، اس کی بے وفائی اور بے نیازی کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے۔

جو تھا، نہیں ہے، جو ہے، نہ ہوگا، یہی ایک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی، اسی کا مشتاق ہے زمانہ

☆☆..........☆☆

انتخاب: حافظ محمد سعید لدھیانوی

گلدستہ

وفاومروت

مولانا غلام علی آزادؒ میر سید طیبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی قدس سرہ اور حضرت میر طیبؒ کے مابین بڑا گہرا دوستانہ تعلق تھا، شیخ عبدالحق برعایت بزرگی، انہیں "شیخ طیب" کہا کرتے تھے، شیخ عبدالحق پیرانہ سالی کے زمانہ میں کسی کتاب کا درس دے رہے تھے کہ کسی مقام میں شیخ کو تامل ہوا، شیخؒ نے حضرت میرؒ کو یاد کرکے فرمایا: اگر شیخ طیب اس وقت موجود ہوتے تو اس مقام کو آسانی سے حل کردیتے۔" ادھر شیخ کے منہ سے یہ بات نکلی اور ادھر حضرت میر طیب جو وطن مالوف (بلگرام) سے بقصد دہلی تشریف لارہے تھے، کمربستہ شیخ کی خدمت میں پہنچ گئے، شیخ بہت خوش ہوئے، انہیں خوش آمدید کہی اور فرمایا: "ہم تو آپ کو یاد ہی کررہے تھے" قصہ بیان فرمایا، کتاب پیش کی گئی، حضرت میر سید طیب نے کتاب ہاتھ میں لے کر قدرے تامل کیا اور پھر عبارت رانچنیں خواند کہ مطلب بے آنکہ تقریر کنند خود بخود واضح گشت (عبارت اس انداز سے پڑھی کہ مطلب بغیر تقریر کے آپ سے آپ واضح ہوگیا) شیخ نے فرط مسرت میں حاضرین سے فرمایا: "دیکھا! ہم نہ کہتے تھے کہ شیخ طیب اس مقام کو آسانی حل کرسکتے ہیں۔"

مولانا آزادؒ آگے لکھتے ہیں:

شیخ عبدالحقؒ کے صاحبزادے شیخ نورالحق ان دنوں بادشاہ وقت کے اصرار سے دارالحکومت آگرہ میں منصب قضا پر فائز تھے، شیخ عبدالحق نے میر سید طیب سے دریافت کیا:

"کس راستے سے آنا ہوا؟"

آگرہ کے راستے سے!

"نورالحق سے بھی ملاقات ہوئی؟"

جی نہیں، موانع سفر سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا!

ظاہر ہے کہ میر سید اس کے سوا اور کیا عذر کرسکتے تھے۔

شیخؒ نے فرمایا: "بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قضا کا مرتکب ہے، اس لئے اعراض فرمایا گیا" بعد ازاں شیخ نے فرزند ارجمند کی شان میں چند توصیفی کلمات فرمائے کہ وہ اگرچہ میرا بیٹا ہے، مگر ہے باپ کی جگہ، اگرچہ میرا شاگرد ہے، مگر بجائے استاذ کے ہے اور اگرچہ میرا مرید ہے مگر بمنزلہ پیر کے سمجھتا ہوں۔

میر سید نے اس دوستانہ شکوہ کا کیا اثر لیا، وہ خود مولانا آزاد بلگرامی کی زبان سے سنئے:

"میر سید طیب از پیش شیخ برخاست بعنوانے کہ گویا برائے کمر وا کردن می رود، وبے اطلاع شیخ ہماں طور کمر بستہ بہ رجع القہقری راہ آگرہ گرفت وبا شیخ نورالحق ملاقات کردہ برگشت۔ شیخ عبدالحق از حسن خلق میر خیلے خوشنود گردید و معذرتہا بر زبان آورد۔"

(مآثر الکرام ص:۳۶)

ترجمہ: "میر سید طیب شیخ کے پاس سے یوں اٹھے، گویا کمر جو باندھ رکھی تھی، اسے کھولنے جارہے ہیں اور شیخ کو اطلاع کئے بغیر اسی طرح کمر بندھی بندھائی الٹے پاؤں آگرہ کی راہ لی اور شیخ نورالحق سے ملاقات کرکے واپس آئے۔ شیخ عبدالحق حضرت میرؒ کے حسن اخلاق سے بہت خوش ہوئے اور دیر تک معذرت کرتے رہے۔"

گھر کی بات، بازار میں

انہی میر سید طیب قدس سرہ کے تذکرے میں مولانا غلام علی آزادؒ یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک دن ایک بزرگ میر سید کی مشتاقانہ زیارت کو آئے، دوران گفتگو "مشکلے از مسائل توحید پرسید" (مسائل توحید کا کوئی نازک مسئلہ پوچھ بیٹھے) مگر حضرت میرؒ طرح دے گئے اور باانداز تجاہل فرمایا: "مجھے اس مسئلے کی خبر نہیں" اور اس امر کی مطلق پروا نہیں کی کہ لوگوں کے حسن عقیدت کو ٹھیس پہنچے گی یا کوتاہ علمی کا یہ اعتراف لوگوں کی نظر سے انہیں گرادے گا، بہرحال مجلس ختم ہوئی اور خلوت میسر آئی تو حضرت میرؒ نے مہمان سائل سے فرمایا: گھر کی بات بازار میں نہیں کہا کرتے۔ ہاں اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟

(مآثر الکرام ص:۳۶)

اشرافِ نفس

مولانا غلام علی آزاد رحمۃ اللہ علیہ، میر سید مبارک محدث بلگرامی قدس سرہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طاب ثراہ فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت میر (سید مبارکؒ) کی خدمت میں باریاب ہوا، وضو کے ارادے سے اٹھے تھے کہ اچانک زمین پر گر گئے، میں دوڑ کر پاس گیا، کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا، میں نے سبب دریافت کیا تو بتانے سے گریز فرمایا، بالآخر بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ تین دن سے کسی قسم کی کوئی غذا حلق سے نیچے نہیں اتری، ان تین دنوں میں نہ کسی سے اس فاقہ مستی کا اظہار کیا، نہ قرض لیا، مجھ پر بڑی رقت طاری ہوئی، وہاں سے فوراً اپنے مکان پر پہنچا اور نہایت عمدہ کھانا جو حضرتؒ کو مرغوب تھا، تیار کیا اور لے کر حاضر خدمت ہوا، پہلے تو بہت ہی مسرت و بشاشت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں، بعد ازاں فرمایا: اگر تمہیں ناگوار نہ ہو تو ایک بات کہوں؟ عرض کیا ضرور! فرمایا: ایسے کھانا کا نام فقراء کی اصطلاح میں "طعام اشراف" ہے، ہر چند کہ فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شریعت میں تین دن کے بعد تو مردار بھی حلال ہے، مگر طریقہ فقراء میں "طعام اشراف" کا کھانا جائز نہیں۔

میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو بغیر کسی رد و قدح اور چون چرا کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور کھانا اٹھا کر باہر لے آیا، تھوڑی دیر توقف کے بعد کھانا لے کر پھر حاضر ہوگیا اور عرض کیا کہ جب بندہ اس کھانے کو اٹھا کر لے گیا تو کیا حضرت کو یہ توقع تھی کہ دوبارہ واپس لائے گا؟ فرمایا: نہیں، عرض کیا: اب تو یہ حضرت کی توقع کے بغیر آیا ہے، اس لئے "طعام اشراف" نہیں رہا، حضرت میرؒ اس تاویل سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے عجیب فراست سے کام لیا، چنانچہ اس کھانے کو برغبت تمام تناول فرمایا۔" (مآثر الکرام ص:۸۹)

فائدہ:

اشراف کے معنی ہیں: کسی چیز کو اوپر سے جھانک کر دیکھنا اور جب کسی چیز کے حصول کو دل للچائے یا کسی شخص سے کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع ہو تو اس کو "اشرافِ نفس" کہتے ہیں اور یہ اصطلاح مندرجہ ذیل احادیث سے لی گئی ہے:

"حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دست سوال دراز کیا، آپؐ نے مجھے مال عطا کر دیا، میں نے دوبارہ سوال کیا، پھر عطا فرمایا، پھر ارشاد فرمایا: اے حکیم! یہ مال بڑا سرسبز، دل فریب اور شیریں ہے جو شخص اس کو سیر چشمی کے ساتھ لے، اس کے لئے تو اس مال میں برکت ہوگی اور جو نفس کی حرص و طمع (اشراف نفس) کے ساتھ لے، اس کے لئے مال میں کبھی برکت نہ ہوگی اور اس کی حالت جوع البقر کے اس مریض کی ہے جو کھاتا جائے، مگر پیٹ نہ بھرے اور اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) بہتر ہے، نیچے کے ہاتھ سے (یعنی لینے والے سے)۔" (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال کا کچھ عطیہ دیتے تو میں عرض کرتا کہ کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، آپؐ نے فرمایا: کیا حرج ہے، اس کو لے لو، اپنے پاس رکھو اور صدقہ خیرات کرو (بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی ضابطہ بیان فرمایا کہ) جو مال بغیر طمع نفس اور سوال کے تیرے پاس آجائے اس کو لے لیا کرو اور جو اس شرط پر پورا نہ اترے اس کے پیچھے دل نہ لگاؤ۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص:۱۶۲)

ان احادیث میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ جس طرح بغیر ضرورت و اضطرار کے سوال کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی کی چیز پر نظر رکھنا، اس کے حصول کی حرص اور طمع رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے اور اس طرح جو مال حاصل ہو، وہ کبھی خیر و برکت کا موجب نہیں ہوتا، اس سے نفس کو تسکین نہیں ہوتی، بلکہ اس کی جوع البقر میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

الغرض شریعت میں زبان کا سوال جس طرح ناجائز ہے، اسی طرح دل کا سوال بھی مکروہ ہے، اسی کو "اشراف نفس" کہتے ہیں، جس سے بچنے کا اہل اللہ کے یہاں خاص اہتمام ہے۔ ☆☆☆

قارئین اور جماعتی احباب متوجہ ہوں

قارئین اور دیگر جماعتی احباب سے اپیل ہے کہ قادیانیوں کی شرانگیز سرگرمیوں اور ان کی ارتدادی تبلیغ کی اطلاع ملتے ہی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی دفتر کو اس سے آگاہ کریں تاکہ قادیانیوں کی اس فتنہ انگیزی کا بروقت سدباب کیا جاسکے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جاسکے۔

REGD.# SS.160

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت سے تعاون

شفاعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ

- پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب
- قادیانیوں کو دعوت اسلام
- سینکڑوں مبلغین کے ذریعہ قادیانی سرگرمیوں کا سدباب
- عدالتوں میں قادیانیت کے متعلق مقدمات کی پیروی
- سینکڑوں مساجد و مدارس کے ذریعہ مبلغین کی تیاری
- دفاتر ختم نبوت، دارالتصنیف اور لائبریریوں کا قیام
- قادیانیت سے تائب ہونے والے مسلمانوں کی نگہداشت
- ہفت روزہ ختم نبوت کے ذریعہ قادیانیت کا قلمی پوسٹ مارٹم

ان تمام صدقاتِ جاریہ میں
شرکت کے لئے زکوٰۃ، صدقات، فطرہ، عطیات

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

کو دیجیے

اپیل کنندگان

مولانا خواجہ خان محمد
امیر مرکزیہ

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر
نائب امیر مرکزیہ

مولانا عزیز الرحمٰن
ناظم اعلیٰ

ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان
فون: 4583486-45141522 فیکس: 4542277
اکاؤنٹ نمبر: 3464 یو بی ایل حرم گیٹ برانچ، ملتان
جامع مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی
فون: 2780337 فیکس: 2780340
اکاؤنٹ نمبر: 8-363 اور 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ

نوٹ مجلس کے مرکزی دفاتر میں رقوم جمع کرا کے مرکزی رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تا کہ شرعی طریقے سے مصرف میں لایا جا سکے۔